# اصلاحی واقعات

## جلد سوم

مؤلف

حضرت مولانا محمد علاء الدین صاحب قاسمی مدظلہ العالی

﴿خلیفہ ومجاز بیعت﴾

حبیب الامت حضرت مولانا ڈاکٹر حکیم ادریس حبان رحیمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ناشر: خانقاہ اشرفیہ ومکتبہ رحمت عالم رحمانی چوک پالی گھنشیام پور ضلع دربھنگہ (بہار)

# اصلاحی واقعات

## جلدسوم

مؤلف

حضرت مولانا محمد علاء الدین صاحب قاسمی مدظلہ العالی

﴿خلیفہ ومجاز بیعت﴾

حبیب الامت حضرت مولانا ڈاکٹر حکیم ادریس حبان رحیمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ ومجاز حضرت مولانا حکیم ذکی الدین صاحبؒ پرنامبٹی

خلیفہ ومجاز مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خان جلال آبادیؒ

خلیفہ ومجاز حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر: خانقاہ اشرفیہ ومکتبہ رحمت عالم رحمانی چوک پالی گھنشیام پور ضلع دربھنگہ (بہار)

## مخلص اور طالب حق کو طباعت کی اجازت ہے

اگر کوئی نیکی کا طالب اردو کے علاوہ دوسری زبانوں میں اس کتاب کو منتقل کرنا چاہےتو اجازت ہے۔

نام کتاب-------------- اصلاحی واقعات جلدسوم

مؤلف---------------حضرت مولانا محمد علاء الدین صاحب قاسمی مدظلہ العالی

کمپیوٹر و کتابت------------عبداللہ علاء الدین قاسمی

صفحات---------------206

تعداد-----------------

## ملنے کے پتے

☆ قاری عبدالعلاّم صاحب،C-178 تیسری منزل نزد چاند مسجد پُرانی سیما پوری (دہلی-95)
☆ حاجی عبدالغنی صاحب،A-330 نزد مرکزی جامع مسجد پُرانی سیما پوری (دہلی-95)
☆ قاری مطیع الرّحمٰن صاحب، اتوار بازار، نزد مدینہ مسجد، اگر نگر مبارک پور، (نئی دہلی)
☆ محمد اسلم و حافظ عبدالعزیز صاحب، چمن جنرل اسٹور 1981 گلی قاسم جان بازار لال کنواں، نزد ہمدرد دواخانہ (دہلی-6)

**Mobile:**

**Abdullah:** 7654132008-**Q . Abdul Allam:** 9818406313

**H. Abdul Gani :** 9811542512 **Md Aslam:** 9250283190

**H. Abdul Aziz:** 9811626704 **Q. Mutiur Rahman:** 8882919635

**Email:** Abdullahdbg1994@gmail.com

**KHANQUAH E ASHRAFIA**

Maktaba Rahmat E Alam

Rahmani Chowk Pali Ghanshyampur

Dist:Darbhanga(Bihar)

# فہرست مضامین

مضامین صفحات

سخنہائے گفتنی۔ 10
فرعون کی بیوی کو ایمان کیسے نصیب ہوا؟ 12
فرعون بھی داڑھی رکھتا تھا۔ 14
فرعون کی نرینہ اولاد نہیں تھی۔ 14
فرعون کو شیطان کی نصیحت۔ 15
بے نمازی قیامت کے دن فرعون وہامان اور اُبی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔ 16
حضرت موسیٰ علیہ السلام و فرعون کا مناظرہ۔ 17
اس امت کا فرعون۔ 19
شداد کا واقعہ۔ 20
شداد کا انجام۔ 21
قارون کا غرور۔ 23
زکوٰۃ نہ دینے پر قارون کا انجام۔ 24
قارون کے زمانے کا ایک واقعہ۔ 25
حضرت نوح علیہ السلام کا شیطان سے ایک سوال۔ 26
حضرت آدم علیہ السلام اور شیطان کی خطاؤں میں فرق۔ 28
حضرت یحییٰ کی شیطان سے ملاقات۔ 28

شیطان کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بہکانے کی کوشش۔ 29
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شیطان کو کشتی میں پچھاڑ دیا۔ 30
موت کے وقت شیطان کی آخری کوشش۔ 30
غزوۂ احد کے دن شیطان کا حضرت جعیل کی شکل اختیار کر لینا۔ 31
امّتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بخشش پر شیطان کا افسوس کرنا۔ 33
حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کا مناظرہ۔ 34
نمرود کی پرورش کا واقعہ۔ 35
حضرت نوح علیہ السلام۔ 37
قرآن مجید میں حضرت نوح علیہ السلام کا تذکرہ اس طرح آیا ہے۔ 37
حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ۔ 41
حضرت نوح علیہ السلام نے بددعا کیوں کی؟ 42
اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعا سن لی۔ 44
عذاب خداوندی۔ 45
لطیفہ۔ 47
ایک بستی کو الٹنے کا حکم۔ 49
قوم عاد کی میراث۔ 50
قوم عاد کی ساری طاقتیں دھری رہ گئیں۔ 50
قوم عاد اور حضرت ہود علیہ السلام۔ 51
عالم اپنی قوم میں مثل نبی کے ہوتا ہے۔ 54
سرکشی و برائی سے روکنے کی تعلیم۔ 55
تصویر بنانے والا سب سے بڑا ظالم۔ 57

تصویر بنانے والے کیلئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بد دعاء۔ 57
تصویر بنانے والا ملعون ہے۔ 57
تصویر والے گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ 58
ابوجہل کو عذاب قبر۔ 59
ابوجہل نے پتھر مار کر زخمی کیا۔ 60
ابوجہل کا برا ارادہ اور اللہ کی تنبیہ۔ 60
ابوجہل کا اقرار۔ 61
قبیلۂ اکثم کے اسلام لانے کا واقعہ۔ 61
حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ پر آیتِ مبارکہ کا اثر۔ 63
ابوطالب کا حق کی دعوت دینا۔ 64
دو انصاری بچوں کا ابوجہل کو قتل کرنا۔ 64
ابوجہل اور اس کے ساتھیوں کا انجام۔ 66
ابولہب کی بیوی۔ 67
انسان اور شیطان کا مقابلہ۔ 67
نفس سے مقابلہ جہاد اکبر ہے۔ 68
حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کا واقعہ۔ 68
واقعۂ اسلام۔ 69
شادی کی پہلی رات اور واقعۂ شہادت۔ 70
واقعۂ قبولیت دعا۔ 72
حضرت سلمان کی شادی کا واقعہ۔ 73
انمول واقعہ۔ 75

حضرت ام سلمہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کرنے کا واقعہ۔ 77
اسلام لانے کا واقعہ۔ 78
حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ۔ 79
نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ۔ 82
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ کی طرف دعوت دینے کی وجہ سے سختیوں اور تکالیف کا برداشت کرنا۔ 83
سفر طائف: حیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے جاں گسل مرحلہ۔ 104
جنوں کا قبول اسلام۔ 107
مکہ واپسی۔ 108
حضرت عمارؓ اور دیگر صحابہ پر ظلم۔ 109
خوبصورتی نے ابولہب کو کامیاب نہیں کیا۔ 110
ابولہب اور اس کے بیٹوں کی گستاخی۔ 110
کیا ابوجہل آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی چاچا تھا یا دور کا؟۔ 111
عشق نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک لکڑی کا رونا۔ 111
پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ۔ 112
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزۂ مبارک۔ 113
بنی اسرائیل پر طاعون کا عذاب۔ 114
حضرت داؤد کی قوم پر طاعون۔ 115
طاعون فحش کاری کی سزا۔ 116
مدینہ میں طاعون کبھی بھی نہ ہوگا۔ 117
مدینہ کی طاعون سے حفاظت کیوں؟۔ 118
مکہ مکرمہ طاعون سے محفوظ۔ 119

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ۔ ____ 119
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت ودانائی۔ ____ 122
حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کا رعب ودبدبہ۔ ____ 123
حضرت سلیمان علیہ السلام کی آہ وزاری۔ ____ 124
حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت۔ _ 125
وفات کے وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی کیفیت۔ ____ 126
حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا محاسبۂ نفس۔ ____ 127
حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول۔ ____ 127
سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ گھر والوں کو نماز کیلئے جگاتے۔ ____ 128
گھر کے نگراں پر اصلاح کی ذمہ داری۔ ____ 129
شیطان حضرت عمر کو دیکھتا تو راستہ بدل دیتا۔ ____ 131
حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی بیعت۔ ____ 131
حضرت علی کی علمیت۔ ____ 136
حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خشیت۔ ____ 137
حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عشق الہی۔ ____ 137
حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیٹے کو نصیحت ____ 138
حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قیمتی نصیحت۔ ____ 139
حضرت علی رضی اللہ عنہ کا توکل واعتماد۔ ____ 141
حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بے مثال سخاوت۔ ____ 143
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک لاکھ اسی ہزار کی سخاوت۔ ____ 143
حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حرام سے پرہیز۔ ____ 144

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی ایجادات۔ 144
حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی حضور سے محبت۔ 145
حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی حالت۔ 146
حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت۔ 147
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قبر کے خوف سے رونا۔ 148
دنیا کی حقیقت-افلاطون کی نظر میں۔ 149
افلاطون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات۔ 148
امام ابو یوسفؒ نے ہارون رشید کے خلاف فیصلہ دیا۔ 151
ہارون رشید کو نصیحت۔ 153
ہارون رشید نے عالم دین کا اکرام کیا۔ 154
حسنِ سلوک اور ہارون رشید کا واقعہ۔ 155
اپنی قبر کو دیکھ کر ہارون رشید نے کہا۔ 157
ہارون رشید رحمۃ اللہ علیہ کی سلطنت کی وسعت۔ 158
حجاج بن یوسف کی بے بسی۔ 159
حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ کی حجاج بن یوسف کو تنبیہ۔ 160
حجاج بن یوسف کی شقاوت۔ 161
حجاج بن یوسف کے آخری کلمات۔ 163
اصحاب کہف کا کتّا۔ 164
اصحابِ کہف کا واقعہ۔ 165
واقعۂ اصحابِ کہف سے تاثیرِ صحبتِ اہل اللہ کا ثبوت۔ 165
صالحین کی بستی پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔ 166
ذاکرین کی مجالس جنت کے باغ ہیں۔ 166

صالحین کی بستی اور سامانِ مغفرت۔ 166
کافر کا نا دجّال مدینہ منوّرہ میں داخل نہیں ہوسکتا۔ 169
دجّال کے قتل کے بعد یاجوج ماجوج کی ہلاکت۔ 170
حضرت عیسیٰ ومہدی علیہم السلام کے زمانہ میں مکمل امن وامان ہوگا۔ 172
حضرت عیسیٰ ؑ کی وفات اور روضۂ اقدسؐ میں تدفین۔ 173
حضرت حسینؓ اور نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم۔ 174
حضرت حسن اور حضرت علی۔ 174
حضرت حسینؓ کا مکہ میں قیام۔ 175
امام حسینؓ کے اخلاق۔ 177
حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی دعا۔ 178
حضرت حسینؓ کے اوصاف۔ 180
حسنین رضی اللہ عنہم کو خطبہ کے دوران گود میں بٹھانا۔ 181
حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی سخاوت۔ 182
حضراتِ حسنین کا اندازِ تبلیغ۔ 184
حضراتِ حسنین رضی اللہ عنہما۔ 186
حضرت بلال حبشی مؤذنِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ 187
کاش! کہ بلال کو ماں نے نہ جنا ہوتا۔ 187
سردارانِ مکہ میں حضرت بلال کا مقام۔ 188
حضرت بلالؓ اور حضرت ابوذر غفاریؓ کی دعا۔ 189
بدصورتی نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ناکام نہیں کیا۔ 190
حضرت بلالؓ پر ظلم۔ 191
حضرت بلالؓ کا قبر مبارک کی زیارت کیلئے سفر کا عجیب وغریب واقعہ۔ 191

# سخنہائے گفتنی

اگر گیتی سراسر باد گیرد
چراغ مقبلاں ہرگز نمیرد

اس جہان آب وگل میں قدرت کی فیاضیوں عجائبات فطرت اور مناظر حسن وعشق کی فتنہ سامانیوں اور مظاہر کائنات کی دلفریبیوں سے اوراق تاریخ بھرے پڑے ہیں، حکایت نویسوں قصہ نگاروں اور ناول و افسانہ نگاروں کی تحریری کاوشوں سے اسلامی لائبریریاں زینت ہائے عالم بنی ہوئی ہیں۔

پند ونصیحت اور موعظت وحکایت کی عطر بیزیوں، گل افشانیوں اور ہدایت آفرینیوں کے مضامین سے اسلامی کتب خانے معمور اور آباد ہیں، مگر ان سب حکایت طرازیوں کے وسیع صحراء میں عاشقان باوفا کی جماعتوں کی بھی کچھ لذیذ اور انقلاب آفریں حکایتیں انسانیت کی ہدایت ورہبری کے لئے اپنی مثال آپ ہیں۔

انسانی زندگی پر اکابر واسلاف کے سچے اور پرتاثیر واقعات وکمالات کے جو دوررس اثرات مرتب ہوتے ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں، دلوں کی تسکین وتعمیر، روحوں کی تطہیر اور عقل بے لگام کوسلامتی کی نعمت ودولت درحقیقت اکابر ومشائخ کی باکردار اور روشن زندگیوں سے ہی ملتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ زمانہ کے عروج وزوال کے مختلف مواقع اور متعدد میدانوں اور اہم انقلابات عالم میں انہیں حضرات کے علوم وفنون پر اعتماد کیا جاتا رہا ہے جن سے اصلاح امت اور فلاح انسانیت کے چشمے جاری ہوتے ہیں۔

اپنے اسلاف کے علوم ومعارف اور ان کے روشن کردار کو منہج ومدار فلاح ونجات بنا کر ہی ہم زندگی کے کارواں کو منزل مقصود تک پہنچانے میں کامیاب ہو سکتے ہیں، سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اَلْبَرَكَةُ مَعَ اَكَابِرِكُمْ۔ برکت تمہیں اپنے اکابر کی اتباع ہی سے حاصل ہوگی۔

تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی ہم نے اپنے اکابر و اسلاف کی سنہری زندگیوں سے درس عبرت لینا چھوڑا شکست و ناکامی سے دوچار ہوئے، ماضی قریب سے لے کر حال تک اسلامی اداروں، تنظیموں، جماعتوں اور مختلف تحریکوں کے زوال واضمحلال اور بے اثری اور بے وقعتی کے احوال جو سامنے آئے ہیں وہ ہر قوم اور ہر شخص پر عیاں ہیں، بغور تجزیہ کریں تو آپ کو پتہ چل جائے گا کہ صرف اسلاف کے راستہ سے انحراف کی وجہ سے ہماری تمام اسلامی جماعتیں پریشان ہوئیں اور انہوں نے اپنا اثر کھویا ہے، آج جو بھی تنظیمیں برکتوں رحمتوں اور اللہ کی نصرتوں سے محروم ہیں ان کا تلخ راز اور بنیادی سبب یہی ہے کہ وہ اپنے اسلاف کے روشن و کامیاب اصولوں اور بنیادوں سے ہٹ گئیں ہیں، اسلئے ضرورت ہے کہ ہم اپنے اسلاف کے انہی اصولوں کو اپنائیں جن کو اختیار کر کے وہ حضرات کامیاب ہوئے تھے، احقر نے اسلاف کی روایتوں اور نقوش قدم پر اعتماد اور ان سے استفادہ کیلئے ہی ان کی مبارک زندگیوں سے کچھ دروس عبرت و ہدایت اور بصیرت افروز واقعات ان تینوں جلدوں میں درج کئے ہیں تا کہ کامیاب مستقبل اور آخرت کی تیاری کیلئے ان سے روشنی مل سکے۔

دنیا میں احوال و مصائب کے جس قدر بھی طوفان اور آندھیاں چلیں گی ضلالت و جہالت کی گھٹاٹوپ ظلمتوں میں بھی ان کی شخصیتیں روشنی کے منار اور ان کے کارنامے زندہ رہیں گے اور ان سے سارا عالم روشن و منور رہیگا، اسلئے ان سچے واقعات کو دل کی گہرائیوں سے پڑھیں اور اپنی دنیا و عقبیٰ کو سنواریں، اللہ مجھے بھی عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

(حضرت مولانا) محمد علاء الدین صاحب قاسمی مدظلہ العالی
خانقاہ اشرفیہ و مکتبہ رحمت عالم رحمانی چوک پالی، گھنشیام پور، ضلع دربھنگہ (بہار)

بروز بدھ، ۱۲ ذوالقعدہ ۱۴۴۲ھ، ۲۲ جون ۲۰۲۱ء

# فرعون کی بیوی کو ایمان کیسے نصیب ہوا؟

قرآن پاک میں اللہ رب العزت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان فرمایا ہے کہ جب وہ پیدا ہوئے تو ان دنوں میں فرعون بچوں کو پکڑ پکڑ کے ذبح کروا رہا تھا۔ اس لیے ان کی والدہ کو بڑی فکر لاحق ہوگئی کہ ایسا نہ ہو کے فرعون کے کارندے آئیں اور بچے کو پکڑ کے قتل کر دیں۔ اللہ رب العزت نے فرمایا کہ آپ اس بچے کو صندوق میں بند کر کے دریا کی لہروں کے حوالے کر دیں۔ والدہ نے بچے کو صندوق میں بند کر دیا اور دریا کی لہروں کے حوالے کر دیا۔

صندوق دریا کی لہروں پہ تیرتا ہوا دوسرے کنارے پر پہنچا۔ دوسرے کنارے پر فرعون اپنی بیوی کے ساتھ چہل قدمی کر رہا تھا۔ اس نے جونہی صندوق کو دیکھا تو فوراً غلام کو دوڑایا کہ صندوق پکڑ کے لے آؤ۔ غلام بھاگتا ہوا گیا اور صندوق پکڑ کے لایا۔ فرعون نے جب صندوق کھولا تو اس کے اندر انتہائی خوبصورت حسین وجمیل بچہ تھا، جو سکون کی حالت میں اپنا انگوٹھا چوس رہا تھا، فرعون نے دیکھا تو اسکو خطرہ لاحق ہوگیا کہ شاید یہ وہی بچہ ہے جو میرے تخت وتاج کا دشمن بننے والا ہے، اس نے فوراً قتل کرنے کا ارادہ کرلیا، لیکن بیوی نے کہا: لَا تَقْتُلُوْهُ۔ اسے قتل نہ کرو۔

عَسٰى اَنْ يَّنْفَعَنَا اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا۔ یہ ہمیں فائدہ پہنچائے گا، ہم اس کو اپنا بیٹا بنائیں گے۔

فرعون نے قتل کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ بعد میں بیوی نے کہا:

قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَ لَكَ۔ یہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، یعنی اس کو دیکھ کر میری آنکھیں ٹھنڈی ہوگئیں۔ اس پر فرعون نے کہا: **یکون لک فامالی، فلاحاجۃ لی۔**

تیری آنکھوں کی ٹھنڈک تو ہوگا، البتہ مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

بعد میں حضرت موسیٰ علیہ السلام بڑے ہو گئے۔اللہ رب العزت نے ان کونبوت عطا فرمائی۔ نبوت ملی تو فرعون کی بیوی مسلمان ہو گئی، جبکہ فرعون محروم چلا گیا۔نسائی شریف کی حدیث ہے،حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:**لو اقر فرعون ان یکون له قرة عین کما اقرة امرته لهداه الله کما هداها** (سنن النسائی الکبری،حدیث:11326)

اگر فرعون بھی اس طرح اقرار کر لیتا کہ یہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔جیسا کہ اس کی بیوی نے اقرار کر لیا تھا تو اللہ تعالیٰ فرعون کو بھی اسی طرح ایمان کی دولت سے نوازتا،جس طرح اس کی بیوی کو ایمان کی دولت عطا فرمائی۔

بیوی نے کہا کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے،اس لئے اللہ رب العزت نے اس کو ایمان کی دولت عطا فرمائی۔تو کئی مرتبہ سینہ ایمان سے خالی ہوتا ہے،کسی اللہ والے کے چہرے پر محبت کے ساتھ نظر ڈالنے سے ایمان کی دولت نصیب ہو جاتی ہے۔

اللہ والوں کی محبت کی بدولت اللہ رب العزت کی محبت بندے کو نصیب ہو جاتی ہے۔ بندہ اللہ کے محبین میں شامل ہو جاتا ہے۔ہم اللہ سے اللہ کی محبت تو مانگتے ہیں،مگر اللہ والوں کی محبت نہیں مانگتے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے صرف اللہ کی محبت نہیں مانگی، بلکہ جہاں اللہ کی محبت مانگی ہے،وہاں اللہ والوں کی محبت بھی مانگی ہے۔چنانچہ دعا مانگی:

**اللهم انی اسئلک حبک و حب من یحبک** (جامع ترمذی،حدیث:3490)

اللہ! میں تجھ سے تیری محبت کا سوال کرتا ہوں اور جو تجھ سے محبت کرنے والے ہیں میں ان کی محبت کا بھی سوال کرتا ہوں۔

اور دوسری جانب حدیث قدسی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

**و جبت محبتی للمتحابین فی** (مشکوۃ المصابیح،حدیث:5011)

**ترجمہ:** میری محب ان لوگوں کے لئے واجب ہے جو میری خاطر محبت کرتے ہیں۔

## فرعون بھی داڑھی رکھتا تھا

میرے شیخ حضرت حبیب الامتؒ نے ارشاد فرمایا: تاریخ کا بدترین انسان جس کو دنیا فرعون کے نام سے یاد کرتی ہے جس نے بنی اسرائیل پر عرصہ حیات تنگ کر دیا تھا اور ہزاروں نوزائدہ بچوں کو ہلاک کر دیا تھا۔ اور خود کو ''انا ربکم الاعلیٰ'' کہتا تھا۔ ایسا بدترین انسان بھی داڑھی رکھتا تھا۔ اس کی حیات کے دیگر تذکروں کے ساتھ داڑھی کا اور داڑھی میں ہیرے جواہرات کے موتیوں کا بھی ذکر ملتا ہے۔

## فرعون کی نرینہ اولاد نہیں تھی

مسند احمد میں صحابی رسولؐ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، جسے امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے، بعض دیگر کتب میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب معراج پر گئے وہاں جنت کی سیر کر رہے تھے کہ آپ نے بڑی عمدہ خوشبو محسوس کی، اس خوشبو کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بتلایا: ''یہ خوشبو ماشطہ رضی اللہ عنہا اور اس کی اولاد کی طرف سے آ رہی ہے جو فرعون کی بیٹی کو کنگھی کیا کرتی تھی''۔

قارئین کرام! معروف تو یہی ہے کہ فرعون اولاد سے محروم تھا، یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ علیہ السلام جو صندوق میں بند ایک شیر خوار بچے تھے اور وہ صندوق دریائے نیل کی موجوں پر بہتا ہوا اس جگہ کنارے آ کر لگا جہاں فرعون کا محل تھا تو جب اسے پکڑ کر کھولا گیا تو انتہائی خوبصورت بچہ نکلا جو انگوٹھا چوس رہا تھا۔ فرعون نے اسے قتل کرنا چاہا مگر اس کی بیوی، مصر کی ملکہ آسیہ نے کہا:

''وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّىْ وَلَكَ-لَا تَقْتُلُوْهُ عَسٰى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ-''

ترجمہ: فرعون کی بیوی نے کہا ''یہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے لہٰذا اسے قتل نہ کر، ہو سکتا ہے کہ (بڑا ہو کر) یہ ہمیں نفع پہنچائے یا پھر ہم اسے بیٹا ہی بنا لیں۔ (وہ یہ باتیں کر رہے تھے لیکن مستقبل کے بارے میں) نہیں جانتے تھے کہ (یہ کیا کرے گا)''۔

جی ہاں! قرآن کے اس بیان سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ فرعون کے پاس اولاد نہیں تھی، لیکن حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بیٹی موجود تھی۔ یہاں یہ بات سمجھنے کی ہے کہ قرآن کے فرمان کا مطلب اب یہ لیا جائے گا کہ فرعون کے پاس نرینہ اولاد نہ تھی البتہ بیٹی موجود تھی لہٰذا ننھے موسیٰ علیہ السلام کو اولاد نرینہ کے طور پر، بیٹے کی حیثیت سے محل میں پالا گیا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس وقت تو کسی قسم کی اولاد نہ ہو البتہ ننھے موسیٰ علیہ السلام کو بیٹا بنانے کے بعد فرعون کے گھر میں بیٹی پیدا ہو گئی ہو اب یہ بیٹی حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھی یا فرعون کی کسی اور بیوی کے بطن سے تھی، یہ اللہ ہی بہتر جانتے ہیں۔ (خطبات حبان جلد ششم، ص/49)

## فرعون کو شیطان کی نصیحت

ایک مرتبہ فرعون کے سامنے شیطان ظاہر ہوا اور اس نے فرعون سے پوچھا کہ تجھے کس نے خدا بنایا ہے اور تیرے اندر ایسا کون سا کمال ہے کہ تو اپنے آپ کو خدا سمجھ بیٹھا؟ تو فرعون نے کہا کہ میرے پاس بہت بڑی طاقت ہے، میرے پاس بہت سا سونا، چاندی، ہیرے جواہرات ہیں اور میں بہت بڑے ملک کا مالک ہوں، شیطان نے پوچھا اور کیا ہے تیرے پاس؟ فرعون نے کہا کہ میرے پاس اندرونی ایسی طاقت ہے جو تیرے پاس نہیں ہے اس نے کہا کہ دکھاؤ؟ فرعون نے فوراً حکم دیا کہ اسی وقت ایک ہزار جادوگر بلائے جائیں اور وہ سب مل کر اس شیطان کو اپنی پھونکوں اور اثر سے اڑا دیں، اور انہوں نے اپنا جادو دکھایا، شیطان کو بھی اللہ تعالیٰ نے بڑا علم دیا ہے، شیطان نے ایک پھونک ماری

جس سے سارے جادوگروں کے اثرات ختم ہوگئے، دوسری مرتبہ پھران ایک ہزار جادوگروں نے اپنا جادو دکھایا، شیطان نے پھرایک پھونک ماری جس سے پھران کا اثر ختم ہوگیا، ان جادوگروں نے پھرآخری جادو دکھایا شیطان نے پھرایک پھونک ماری اور ہنس کر کہنے لگا کہ تم اگر ایسے ایسے ایک ہزار جادو بھی دکھاؤگے تو میرا کچھ بگڑنے والانہیں ہے، سب ہوامیں تحلیل ہوجائے گا، اے فرعون! یادرکھ مجھے اللہ تعالیٰ نے ایسی ایسی چیزیں عطا فرمائی ہیں لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا محبوب نہیں بنایا اور مجھے اپنا فرمانبردار بندہ ماننے سے انکار کردیا، اور تو خدا کا نافرمان ہے تو رب کیسے ہوسکتا ہے؟

علماء کرام اس واقعہ کے بعد لکھتے ہیں کہ انسان اگر خدا کی نافرمانی شہوت کی وجہ سے کرلے تو اس کا گناہ اللہ تعالیٰ معاف فرمادیتے ہیں، نفسانی خواہش کی وجہ سے اگر گناہ سرزد ہوجائے اور انسان اپنے گناہوں سے توبہ کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرمادیتے ہیں لیکن اگر کوئی تکبر اور غرور کرے اس کو توبہ کی توفیق نہیں دیتے یعنی تکبر اور غرور کی وجہ سے توبہ جیسی نعمت سے محروم ہوجاتا ہے، اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ (خطبات رحیمی جلد دوم، ص/140)

## بے نمازی قیامت کے دن فرعون وہامان اور اُبی بن خلف کے ساتھ ہوگا

نماز ترک کرنے کی ایک بڑی سخت وعید یہ ذکر کی گئی ہے کہ ایسے شخص کے پاس نجات کا کوئی ذریعہ نہ ہوگا اور اُس کا حشر قیامت کے دن دنیا کے سب سے بڑے بدبختوں یعنی فرعون، ہامان، اور اُبی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عَمرو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں:

مَنْ حَافَظَ عَلَيْهَا كَانَتْ لَهُ نُورًا وَبُرْهَانًا وَنَجَاةً مِنَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ لَمْ يُحَافِظْ عَلَيْهَا لَمْ تَكُنْ لَهُ نُورًا وَلَا نَجَاةً وَلَا بُرْهَانًا، وَكَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَعَ قَارُونَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَأُبَيِّ بْنِ خَلَفٍ"۔

جوشخص نماز کی حفاظت کرے تو نماز اس کے لئے قیامت کے دن نور ہوگی، حساب پیش ہونے کے وقت حجت ہوگی اور نجات کا سبب ہوگی اور جوشخص نماز کی حفاظت نہ کرے اس کے لئے قیامت کے دن نہ نور ہوگا نہ اس کے پاس کوئی حجت ہوگی اور نہ نجات کا کوئی ذریعہ ہوگا، اور اس کا حشر قارون، فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔ (دارمی:2763)

امام ذہبی فرماتے ہیں: نماز کے ترک کرنے والے کا حشر ان لوگوں کے ساتھ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اکثر انہی وجوہ سے نماز میں سستی ہوتی ہے جو ان لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ پس اگر اس کی وجہ مال و دولت کی کثرت ہے تو قارون کے ساتھ حشر ہوگا، اور اگر حکومت وسلطنت ہے تو فرعون کے ساتھ، اور اگر وزارت ہے تو ہامان کے ساتھ، اور اگر تجارت ہے تو اُبی بن خلف (جو کہ مکہ کا ایک تاجر تھا) کے ساتھ حشر ہوگا۔ (الکبائر للذھبی:19)

## حضرت موسیٰ علیہ السلام وفرعون کا مناظرہ

اللہ تعالی کی ربوبیت واُلوہیت کا انکار کرنے والوں میں ایک فرعون بھی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں مصر کا بادشاہ تھا، قرآن میں حضرت موسیٰ اور فرعون کے ایک مباحثہ کا ذکر ہے جو اس وقت پیش آیا تھا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے فرعون کے پاس ہدایت کا پیغام دیکر بھیجا تھا، حضرت موسیٰ نے اس سے کہا کہ مجھے میرے رب نے رسولوں میں سے بنالیا ہے:

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ، قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِن كُنتُم مُّوقِنِينَ، قَالَ لِمَنْ حَوْلَهُ أَلَا تَسْتَمِعُونَ، قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ، قَالَ إِنَّ رَسُولَكُمُ الَّذِي أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ لَمَجْنُونٌ، قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِن كُنتُمْ تَعْقِلُونَ، قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ إِلَهاً غَيْرِي

لَأَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُونِيْنَ ، قَالَ أَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ، قَالَ فَأْتِ بِهِ إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِيْنَ ۔(الشعراء:۲۳-۳۱)

فرعون نے کہا کہ رب العالمین کیا ہے؟ موسیٰ نے فرمایا کہ وہ آسمانوں اور زمین اور ان کے مابین کی چیزوں کا رب ہے، اگر تم یقین مانو، وہ اپنے اردگرد جمع اپنے لوگوں کو دیکھکر کہنے لگا کہ کیا سنتے نہیں کہ کیا کہہ رہا ہے؟ حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ وہ تمہارا اور تمہارے پچھلے باپ دادوں کا بھی رب ہے، اپنے لوگوں سے کہنے لگا کہ بلاشبہ یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے مجنون ہے حضرت موسیٰ نے کہا کہ وہ مشرق ومغرب کا اوران کے درمیان کی چیزوں کا بھی رب ہے اگر تم عقل سے کام لو، کہنے لگا کہ اگر تو نے میرے علاوہ کسی اور کو خدا بنایا تو میں تجھے قیدیوں میں ڈالدوں گا، فرمایا کہ کیا اگر چہ میں کھلی دلیل لے آؤں تب بھی؟ کہنے لگا کہ پھر دلیل لے آ، اگر تو سچوں میں سے ہے۔

اس میں فرعون کا اللہ کی خدائی سے انکار اور اپنے خدا ہونے کا دعویٰ موجود ہے اور قرآن میں یہ بھی ہے کہ وہ اپنے کو رب اعلی کہتا تھا، چنانچہ ارشاد ربانی ہے کہ:

فَقَالَ أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَى، فَأَخَذَهُ اللهُ نَكَالَ الْآخِرَةِ وَالْأُولَى، إِنَّ فِيْ ذَلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَن يَخْشَى ۔(النازعات:۲۴-۲۶)

پس اس نے کہا کہ میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں، پس اللہ نے اس کو آخرت اور دنیا کی سزا میں گرفتار کیا، بلاشبہ اس میں ڈرنے والے کے لیے عبرت کا سامان ہے۔

الغرض اس قسم کے نہایت متکبر اور معاند بے وقوفوں کے سوا کوئی اللہ کی ربوبیت کا انکار کرنے والا نہیں تھا؛ بلکہ مشرکین بھی اللہ کی ربوبیت کو اسی طرح مانتے تھے جیسے مؤمن مانتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ اپنی کتاب ''حجۃ اللہ البالغۃ'' میں توحید کے چار مراتب بیان کیے ہیں ایک یہ کہ واجب الوجود ہونے کو صرف اللہ تعالی میں منحصر ماننا، دوسرا یہ کہ

عرش اور زمین وآسمان اور تمام جواہر کی تخلیق کو اللہ میں منحصر ماننا، اس کے بعد لکھتے ہیں: **وھاتان المرتبتان لم تبحث الکتب الإلٰھیة عنھما ولم یخالف فیھما مشرکو العرب ولا الیھود ولاالنصاریٰ، بل القرآن العظیم ناصٌّ علی أنھما من المقدمات المسلمة عندھم''۔**

ان دو مراتب سے کتب الٰہیہ میں بحث نہیں کی گئی ہے اور ان میں نہ عرب کے مشرکین نے اختلاف کیا ہے، نہ یہود نے اور نہ نصاریٰ نے اختلاف کیا ہے؛ بلکہ قرآن عظیم اس بات کی تصریح کرتا ہے کہ توحید کے یہ دو مرتبے ان لوگوں کے نزدیک بھی مسلمات میں سے ہیں۔ (حجۃ اللہ البالغۃ: ۱/ ۱۷۵)

## اس اُمت کا فرعون

جنگِ بدر میں اللہ تعالیٰ نے دو انصاری لڑکوں سے ابوجہل کو قتل کروایا، جب دونوں انصاری لڑکوں نے اس کو زخمی کر کے گرا دیا، تو اسے قتل کرنے کے لیے حضرت عبداللہ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ اس کے سینے پر بیٹھ کر تلوار سے اس کی گردن کاٹنے لگے، تو ابوجہل نے کہا کہ میں قوم کا سردار ہوں، میری گردن کو اوپر سے مت کاٹو نیچے سے کاٹو تا کہ جہاں قریش کے دیگر کٹے ہوئے مقتولوں کے سر ہوں گے تو میری گردن سب سے اونچی ہو یعنی مرتے مرتے بھی تکبر کا مظاہرہ کیا۔ جب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں اس کے سر کو پیش کیا گیا، تو آپ نے فرمایا کہ میری امت کا فرعون یہی ہے **فِرْعَوْنُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَبُوْ جَهْلٍ**۔ اور آپ اس دشمن کے قتل پر سجدۂ شکر بجالائے، تو اللہ تعالیٰ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ لوگ میرے پیاروں کو کتنا ستاتے ہیں، مگر چراغ روشن ہی ہوتا چلا جاتا ہے، اور بھی اس میں اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں کی تربیت کے لیے کئی حکمتیں ہیں۔

مگر دشمن ستائے یا کوئی اور پریشانی آئے بس ایک ہی کام کرنا ہے کہ کوئی غم مت کرو، ایک غم لے لو کہ میرا مولیٰ اور میرا پالنے والا اور میرا پیدا کرنے والا اور میرا خالق و مالک مجھ سے ایک سانس، ایک سیکنڈ بھی ناراض نہ ہو، نہ اسٹرکچر سے، نہ فنشنگ سے۔

# شداد کا واقعہ

شداد دنیاوی لحاظ سے کتنا بڑا آدمی تھا؟ اس کے بارے میں ایک عجیب روایت میں نے پڑھی کہ شداد پیدا ہوا، تو ایک سمندر میں اس کی ماں سفر میں تھی، کشتی میں بیٹھ کر جا رہی تھی، راستے میں طوفان آیا، جس کی وجہ سے کشتی سمندر کے تھپیڑوں میں آ کر برباد ہوگئی، صرف ایک تختہ رہ گیا، سارے لوگ بھی غرق ہو گئے، برباد ہو گئے؛ لیکن ایک تختے پر ایک عورت اور اس کی گود میں ایک بچہ بچ گیا تھا، اللہ تعالیٰ نے اسی وقت حضرت عزرائیل علیہ السلام کو حکم بھیجا کہ جاؤ، سمندر میں اور اس تختے پر جو عورت اور بچہ ہیں، ان میں سے اس ماں کی روح قبض کرلو۔ اللہ کی حکمت، اللہ کی قدرت وجلالت کو کوئی نہیں سمجھ سکتا۔

سمندر میں ایک تختے پر ماں اور ایک بچہ، اس کے سوا کوئی نہیں اور وہیں روح قبض کرنے کا حکم آ رہا ہے کہ ماں کی روح قبض کرلو، ماں کی جب روح قبض ہوگی، تو وہ بھی گر جائے گی اور بچہ ایک تختے پر رہ جائے گا اور وہاں کوئی دوسرا نہیں ہے۔

خیر انھوں نے روح قبض کر لی اور ماں غرق ہوگئی اور بچہ رہ گیا تختہ پر اور وہ تختہ تیرتے تیرتے ایک کنارے پر لگا، وہاں مچھیرے موجود تھے، انھوں نے دیکھا کہ ایک بچہ آ رہا ہے، دیکھا تو بڑا حسین وجمیل تھا، ان میں سے کسی نے اسے اٹھایا اور کہا کہ میرے پاس تو بچے ہیں نہیں، میں ہی اس کو پال لیتا ہوں، تو ایک غریب مچھیرے نے اس کو اٹھایا اور اس کو پالا، جب یہ بڑا ہوا، تو ایک جگہ کھیل رہا تھا، راستے میں کھیلتا ہوا دیکھتا ہے کہ ایک بادشاہ کا لشکر وہاں سے جا رہا ہے، اس لشکر میں ایک آدمی تھا، جسے کہیں سے ایک سرمہ ملا تھا؛ لیکن یہ سرمہ اپنے اوپر آزمانے سے پہلے یہ چاہتا تھا کہ کسی اور پر آزماؤں؛ اس لیے کہ معلوم نہیں تھا کہ یہ سرمہ

کیسا ہے؟ تو اس لشکری نے آ کر سرمے کی ایک سلائی لی اور اس بچے سے کہا کہ دیکھ یہ سرمہ ہے ،بہت اچھا ہے، تجھے لگا تا ہوں، یہ کہہ کر اس نے لگا دیا۔

جب اس بچے کو سرمہ لگایا،تو اسے زمین کے خزانے نظر آنے لگے؛لیکن تھا وہ بہت چالاک؛اس لئے کہ یہی شداد بننے والا تھا،تو اس بچے نے چیخنا شروع کر دیا،خوب زور زور سے چیخا، جب زور زور سے چیخا،تو یہ آدمی پریشان ہو گیا کہ اسے کچھ ہو گیا ہے، کچھ مصیبت آ گئی ہے،سرمہ اسے فٹ نہیں ہوا، آنکھ اس کی ضائع ہو گئی ہے؛ اس لیے سرمے کی تھیلی وہیں چھوڑ کے بھاگ گیا، وہ بھا گا تو اس نے سرمے کی تھیلی اٹھالی اور اپنے باپ کو جا کر کہا کہ میرے ساتھ ایسا ایسا واقعہ پیش آیا، میں نے چالاکی کی،تو وہ سرمہ چھوڑ کے بھاگ گیا اور اس سرمے میں ایسی تاثیر ہے کہ مجھے پورے خزانے زمین کے نظر آ رہے ہیں کہ وہاں سونا ہے، وہاں چاندی ہے، وہاں ہیرے ہیں، وہاں جواہرات ہیں؛ سب مجھے نظر آ رہا ہے،اس نے کہا کہ چلو، جب یہ بات ہے،تو کھدائی کریں گے،تو اب باپ بیٹے نے مل کر کھدائی شروع کر دی، جہاں جہاں یہ بچہ دکھا تا تھا کہ یہاں مجھے یہ نظر آ رہا ہے، وہاں کھدائی کی اور سونا مل گیا، کہیں چاندی مل گئی، کہیں کچھ ہیرے مل گئے، کہیں کچھ مل گیا، اب یہ کھودتے کھدواتے کروڑ پتی، ارب پتی، بڑے مال دار ہو گئے،ادھر یہ بچہ بھی بڑا ہوا،اس کے بعد اس بچے نے جو بڑا ہو چکا تھا، وہاں کے بادشاہ پر بھی حملہ کر دیا اور بادشاہ پر قابض ہو کر اس کی بادشاہت چھین لی، حتیٰ کہ خود بادشاہ بن گیا۔ (فیضان معرفت جلد پنجم،ص/ 104)

## شداد کا انجام

ایک عرصے کے بعد اس کے ذہن میں یہ بات آئی کہ مجھے دنیا میں جنت بنانا ہے،نبیوں کا مخالف، اللہ کا مخالف، بڑا سرکش ہو گیا، دماغ میں یہ سمایا کہ اب دنیا میں جنت بنانا ہے، چناں چہ

اس نے جنت بنائی، بہت بڑے علاقے پر اس کے گھر بسائے، عالی شان عمارتیں بنائیں، اس کے اندر درمیان میں باغیچے بنائے، جو کچھ اس کے بس میں تھا، اس نے وہ سب کچھ کیا اور جب سب کچھ تیار ہوگیا، تو اس کو بتایا گیا کہ آج تمھاری جنت کا اِنا گرِیشن (افتتاح) ہے، چلیے۔

اب وہ جو افتتاح کرنے کے لیے گیا، تو اپنی اس جنت کے اندر جانے کے لیے جوں ہی ایک قدم اندر رکھتا ہے؛ وہیں عزرائیل علیہ السلام کو حکم ہوتا ہے کہ اس آدمی کی روح قبض کرلو، حضرت عزرائیل علیہ السلام آئے اور اس کی روح قبض کرلی، وہ اندر جا ہی نہ سکا۔

حضرت عزرائیل علیہ السلام کے بارے میں ایک روایت ہے کہ ایک موقع پر انھوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے اللہ! میں نے روحیں تو بہت نکالی ہیں؛ لیکن ایک ہی آدمی پر دو دفعہ بڑا رحم آیا، اللہ نے پوچھا کب؟ کہا کہ ایک بار اس وقت جب وہ (شداد) پیدا ہوا، تو سمندر میں اس کی ماں کی روح قبض کرنے کا حکم آیا، تو مجھے اس بچے پر رحم آیا تھا اور دوسری مرتبہ اسی بچے نے جب جنت بنائی اور جب جنت میں قدم رکھا، تو آپ کا حکم آیا کہ اس کی روح قبض کرلو، تب بھی بڑا رحم آیا۔

بتانا یہ چاہتا ہوں کہ ایسی بے شمار مثالیں ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ نعمت کا مل جانا، اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ انسان اللہ کا محبوب ہے؛ بلکہ ہوسکتا ہو کہ یہ نعمت اس کے حق میں ہلاکت بننے والی ہو، دیکھو! اللہ نے کتنی بڑی دولت اس کو عطا فرمائی اور حیرت انگیز طریقے پر اس کو یہ دولتیں عطا فرمائیں؛ لیکن جب اس کو پکڑا، تو کیسے پکڑا؟

قرآن کریم میں ایک جگہ ارشاد ہے: **”وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۭ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ“**۔ (آل عمران:۱۷۸)

اور کافر یہ خیال نہ کریں کہ ہم ان کو جو ڈھیل دے رہے ہیں، وہ ان کے لیے بہتر ہے، ہم تو ان کو اس لیے ڈھیل دے رہے ہیں؛ تاکہ وہ گناہوں میں اور آگے بڑھیں اور ان کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔

اس آیت میں کافروں کوسخت دھمکی دی گئی ہے کہ وہ اللہ کی نعمتوں کواپنے حق میں بھلائی خیال نہ کریں؛ بلکہ یہ ایک اللہ کی طرف سے ڈھیل ہے، جواس لیے دی جارہی ہے کہ جب وہ گناہوں میں مزید آگے بڑھیں گے، تو اتنی ہی سخت سزاان کو دی جائے۔ معلوم ہوا کہ اللہ کی نعمتیں کافروں کے حق میں مصیبت ہیں، نعمت نہیں۔

ان دونوں واقعات سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی بے پایاں اور بے حد وحساب رحمت کا پتہ چلتا ہے تو پھر ایسی کریم اور رحیم اور معاف کرنے والی ذات سے کیوں نہ آج ہی رمضان کی مبارک ساعتوں میں اپنی اپنی نافرمانیوں اور خطاؤں کی معافی مانگ لیں، وہ رحیم اور کریم ذات جوفرعون اور قارون کوبھی معاف کرنے پر تیارتھی، ہم اس کا کلمہ پڑھنے والوں کو کیوں نہ معاف کرے گی؟

## قارون کا غرور

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برادری میں ان کا چچازاد بھائی قارون تھا یہ فرعون کے دربار میں رہتا تھا، جیسا کہ ظالم حکومتوں کا دستور ہے کہ قوم کا خون چوسنے کیلئے انہیں میں سے بعض افراد کواپنا آلہ کار بنالیتے ہیں، اسی طرح فرعون نے بنی اسرائیل میں سے اس ملعون کوچن لیا تھا، قارون نے اس وقت موقع پا کر دونوں ہاتھوں سے خوب دولت سمیٹی اور دنیوی اقتدار حاصل کیا جب بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زیر حکم آئے اور فرعونی سارے کے سارے غرق ہو گئے، تو قارون کی مالی ترقی کے ذرائع مسدود اور بند ہو گئے اور اس کی سرداری جاتی رہی۔ اس حسد وغضب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دل میں خلش رکھنے لگا لیکن ظاہر میں دوست بنا ہوا تھا توریت بہت پڑھتا تھا اور علم حاصل کرنے میں مشغول رہتا تھا مگر دل صاف نہ تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام وہارون علیہ السلام کی خداداد عزت اور وجاہت دیکھ کر جلتا اور کہتا کہ میں بھی آخرانہیں کے چچا کا بیٹا ہوں کیا وجہ ہے کہ وہ دونوں تو نبی اور مذہبی سردار بن جائیں

مجھے کچھ بھی نہ ملے؟ کبھی مایوس ہو کر شیخی مارتا کہ انہیں نبوت مل گئی تو کیا ہوا میرے پاس مال و دولت کے اتنے خزانے ہیں جو کسی کے پاس نہیں۔

## زکوٰۃ نہ دینے پر قارون کا انجام

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ارشاد فرماتے ہیں کہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برادری سے تھا ان کا چچا زاد بھائی تھا، دنیاوی علوم میں کافی ترقی کی تھی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر حسد کرتا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے مجھ کو تم سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے حکم فرمایا ہے۔ اس نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور لوگوں سے کہنے لگا کہ موسیٰ علیہ السلام زکوٰۃ کے نام سے تمہارے مال کو کھانا چاہتا ہے، اس نے پہلے نماز کا حکم کیا تھا تم نے برداشت کیا، اس نے اور احکام جاری کئے جس کو تم نے برداشت کیا، اب وہ تم کو زکوٰۃ کا حکم دیتا ہے اس کو بھی برداشت کرو گے۔ لوگوں نے کہا کہ ہم سے برداشت نہیں ہوتا تم ہی کچھ تدبیر کرو۔

اس نے کہا کہ میں نے یہ سوچا ہے کہ کسی فاحشہ عورت کو اس بات پر راضی کیا جائے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام پر تہمت لگائے کہ وہ مجھ سے زنا کرنا چاہتے ہیں (نعوذ باللہ) چنانچہ لوگوں نے ایک فاحشہ عورت کو بہت انعام و اکرام دے کر راضی کیا۔ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے جو احکام آپ کو دیئے ہیں وہ احکام بنی اسرائیل کو جمع کر کے سنا دیجئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو پسند فرمایا اور سارے بنی اسرائیل کو جمع کیا۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے احکام بتانے شروع کئے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے یہ احکام دیئے ہیں کہ اس کی عبادت کرو، کسی کو اس کا شریک نہ کرو، صلہ رحمی کرو، دوسرے احکام بھی بیان کئے جس میں یہ بھی بیان فرمایا کہ اگر کوئی بیوی والا زنا کرے تو اس کو سنگسار کیا جائے تو لوگوں نے کہا کہ اگر آپ خود زنا کریں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر میں زنا کروں تو مجھے

بھی سنگسار کیا جائے۔ تو لوگوں نے کہا کہ آپ نے بھی زنا کیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے تعجب سے پوچھا میں نے زنا کیا ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں آپ نے زنا کیا ہے۔ پھر لوگوں نے اس فاحشہ عورت کو بلا کر پوچھا کہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق کیا کہتی ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اس کو قسم دے کر کہا کہ تو کیا کہتی ہے؟ اس فاحشہ عورت نے کہا کہ جب آپ قسم دیتے ہیں تو بات یہ ہے کہ ان لوگوں نے مجھ سے انعام کا وعدہ کیا ہے کہ میں آپ پر تہمت لگاؤں، آپ اس الزام سے پاک ہیں۔ یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام روتے ہوئے سجدے میں گر گئے اور اللہ عزوجل کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سجدے میں ہی وحی آئی کہ رونے کی کیا بات ہے؟ تمہیں ان لوگوں کو سزا دینے کے لئے ہم نے زمین پر تسلط دیا تم جو چاہو زمین کو ان کی سزا کے متعلق حکم دو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سجدے سے سر اٹھایا اور زمین کو حکم فرمایا کہ ان لوگوں کو نگل جا، زمین ایڑیوں تک نگل گئی، وہ سب عاجزی سے موسیٰ علیہ السلام کو پکارنے لگے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر حکم دیا کہ ان کو دھنسا دے حتیٰ کہ وہ لوگ گردن تک دھنس گئے، پھر وہ بہت زور سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پکارنے لگے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر زمین کو یہی حکم فرمایا کہ ان کو نگل جا، زمین سب کو نگل گئی۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ موسیٰ وہ تمہیں پکارتے رہے اور تم سے عاجزی کرتے رہے میری عزت کی قسم اگر وہ مجھے پکارتے اور مجھ سے دعا کرتے تو میں ان کی دعا ضرور قبول کرتا۔

## قارون کے زمانے کا ایک واقعہ

قارون کے زمانے میں جو طبقہ ترقی پسند اور تعلیم یافتہ کہا جاتا تھا اس نے قارون کے خزانے کو اور اس کی ظاہری شوکت و جاہ کو دیکھ کر یہ کہا تھا کہ يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ۔ اے کاش! ایسا ہی خزانہ ہم کو بھی مل جاتا۔ اور جو طبقہ اللہ والوں کا تھا ان کو دینی سمجھ اور علمِ صحیح

کے انوار سے اس خزانۂ قارون کی صحیح حقیقت کا پتا چل گیا تھا، دین کی خوش فہمی سے انہوں نے خزانۂ قارون پر اللہ کا غضب اور قہر دیکھ لیا، یعنی علمِ دین کی روشنی میں انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کے ساتھ مال و دولت اور ظاہری شوکت سب سانپ اور بچھو ہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ بہت سخت ہے، معلوم نہیں کہ کب اللہ تعالیٰ کی قہاریت اور غضب کا ظہور ہو جاوے، اس لیے اللہ والوں نے قارون کی ظاہری آرایش کی طرف راغب ہونے والے طبقے کو مخاطب کر کے یہ فرمایا کہ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا۔ (اے نادانو!) ہلاکت ہو تم پر، اللہ کے گھر کا ثواب ہزار درجہ بہتر ہے جو ایمان والوں کو اور نیک عمل والوں کو ملتا ہے۔ مغضوب علیہ شخص پر لالچ کی نگاہ ڈالتے ہو! یہ کہنے والے کون لوگ تھے؟ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ يه۔ اہلِ علم کی جماعت تھی، یہ عنوان بتاتا ہے کہ صفتِ علم کا مقتضا یہی تھا جو انہوں نے کہا اور کس عنوان سے کہا؟ وَيْلَكُمْ ناس ہو تمہارا! یہ عنوان بتاتا ہے کہ علم کا اثر اور نوران کے دلوں میں ایسا پیوست اور راسخ تھا جس نے قارون کی ترقی کو ان کے دلوں میں نافرمانیٔ حق کے سبب مبغوض کر دیا تھا۔

جب قارون پر خدا کا قہر نازل ہوا اور وہ مع اپنے خزانے کے زمین میں دھنسا دیا گیا اس وقت جس ترقی پسند طبقے نے اس کے مال پر رال ٹپکائی تھی اس کو اپنی جہالت کا علم ہوا اور علمِ دین کی نعمت کی قدر معلوم ہوئی۔ پس معلوم ہوا کہ جو عالم علم کی نعمت کو دنیا کی نعمتوں کے عوض میں فروخت کرتا پھرے اس کو حقیقی علم نہیں عطا ہوا ہے۔ (معرفت الہیہ ص/133)

## حضرت نوح علیہ السلام کا شیطان سے ایک سوال

شیطان کے مختلف حربے ہیں، جن سے وہ بہکاتا ہے، یہاں یاد آیا کہ حضرت سیدنا نوح علیہ السلام طوفان کے موقعے پر جب سفینے میں سوار تھے، تو وہاں پر اچانک ان کو شیطان نظر آیا، انھوں نے کہا کہ تو

یہاں بھی پہنچ گیا؟ اب میں تجھے نہیں چھوڑوں گا، جب تک کہ تیرا راز نہ معلوم کرلوں۔ اس کو حضرت نوح علیہ السلام نے پکڑ لیا اور فرمایا کہ تیرا راز مجھ کو بتا کہ تو گمراہ جو کرتا ہے، وہ کس راستے سے کرتا ہے؟

تو اس نے کہا کہ پانچ باتیں ہیں؛ لیکن پانچ میں سے میں آپ کو تین بتاتا ہوں، دو نہیں بتاتا۔ حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ کی طرف سے وحی آئی کہ اس مردود سے کہو کہ ہمیں ان تین کی ضرورت نہیں ہے، وہ دو ہی ہم کو بتادے؛ اس لیے کہ اصل تو وہی ہے راز۔ تو حضرت سیدنا نوح علیہ السلام نے کہا کہ مجھے ان تین حربوں کی ضرورت نہیں ہے، وہ دو بتا، جو تو نہیں بتانا چاہتا۔ تو اب مجبور ہو گیا اور کہنے لگا کہ وہ دو باتیں، جس سے میں لوگوں کو گمراہ کرتا ہوں اور آپ کو بتانا نہیں چاہتا تھا، وہ آپ سن لیجیے! ایک ''حسد'' اور ایک ''حرص''؛ پھر شیطان کہنے لگا کہ حسد سے میں گرا اور حرص سے حضرت آدم گر گئے۔

اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو بنایا اور ان کو علم عطا فرمایا اور ان کی شان وشوکت کو فرشتوں کے سامنے ظاہر فرمایا، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ تو فرشتے تو سجدے میں گر گئے، ابلیس کو تکبر نے روکا، تکبر کے بعد حسد پیدا ہوا، حسد اس لیے پیدا ہوا کہ ان کی وجہ سے میں اللہ کی نگاہ میں گر گیا ہوں، اب کسی نہ کسی طرح ان کو بھی گرانا ہے، یہ ہے حسد۔ جب کسی کے پاس کوئی کمال دیکھے، جب کسی کے پاس حُسن و جمال دیکھے، جب کسی کا عطا ونوال دیکھے، جب کسی کے اندر بڑائی دیکھے، جب کسی کے اندر علم دیکھے، جب کسی کے اندر مال ودولت کی فراوانی دیکھے، اس وقت دل کے اندر یہ خواہش کا ہونا کہ اس سے ساری چیزیں چھن جائیں، چاہے مجھے ملیں کہ نہ ملیں، اس کے پاس بھی نہ رہیں، یہ ہے حسد کی بیماری، یہ حسد اللہ کی نگاہ میں بہت بُری چیز ہے۔

شیطان نے سوچا کہ اللہ نے اُن کو اتنا اونچا بنایا ہے، ان کو بھی گراؤں گا، میں جیسے گر گیا ان کو بھی گراؤں گا، اس کے بعد اس حسد میں مبتلا ہو کر وہ فکر میں رہا کہ کس طرح ان کو میں ذلیل وخوار کرنے میں کامیاب ہو جاؤں؟ یہ ہے حسد جس کی وجہ سے شیطان گمراہ ہوا۔

اور حضرت آدم علیہ السلام کو جس درخت سے منع کیا گیا تھا، جا کر اس کو کھالیا تھا، اس لیے کہ شیطان نے قسم کھا کھا کر ان سے کہا تھا کہ میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ اس درخت کو کھانے کا اتنا بڑا فائدہ ہے اور فائدہ یہ ہے کہ آپ اس کو کھالیں گے، تو کبھی نہیں مریں گے، ہمیشہ زندہ رہیں گے، انھوں نے کہا کہ بہت اچھا، کھالیں گے، تو حرص میں آ کر کھا گئے، اس کو شیطان نے کہا کہ حسد نے مجھے تباہ کیا اور حرص کی بیماری نے حضرت آدم علیہ السلام کو گرا کر رکھ دیا۔

## حضرت آدم علیہ السلام اور شیطان کی خطاؤں میں فرق

یہاں ایک نکتہ عرض کرتا ہوں، وہ یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام سے بھی خطا ہوئی اور شیطان نے بھی خدا کی نافرمانی کی؛ مگر ان دونوں کی نافرمانیوں میں ایک زبردست اور بڑا عظیم فرق ہے ، وہ یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام سے جب ایک خطا کا صدور ہوا، تو فوراً اللہ تعالیٰ کے سامنے انھوں نے اپنے گناہ کا اعتراف کرلیا اور شیطان سے جب گناہ ہوا، تو وہ اَڑ گیا کہ مجھ سے گناہ نہیں ہوا ہے؛ بلکہ میں نے تو آدم کو سجدہ نہ کر کے توحید کا مظاہرہ کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ بندے کا اللہ کی جناب میں عجز و نیاز اور اپنی خطاؤں و گناہوں کا اعتراف ہی اس کو اللہ کے یہاں مقام دلاتا ہے: اس لیے یوں کہنا ’’میں نے کونسا گناہ کیا‘‘ یہ بہت نازیبا بات ہے اور اس میں دعویٰ ہے؛ لہٰذا ایسے قبیح جملوں کے استعمال کرنے سے بچنا چاہیے، شیطان ایسے جملے ہماری زبانوں سے نکلوا کر ہمارا ایمان برباد کرنا چاہتا ہے۔ (فیضان معرفت جلد سوم، ص/ 147)

## حضرت یحییٰ کی شیطان سے ملاقات

امام غزالی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ’’مکاشفۃ القلوب‘‘ میں ذکر کیا ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے ایک مرتبہ شیطان کو دیکھا کہ وہ کچھ اٹھائے ہوئے ہے، آپ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ اس نے کہا

کہ یہ ''شہوات'' ہیں اور نفسانی خواہشات ہیں، جن سے میں لوگوں کو قید کرتا ہوں۔ حضرت یحییٰ نے فرمایا کہ اچھا میرے لیے بھی تیرے پاس کوئی پھندا ہے؟ شیطان نے کہا کہ ایک پھندا ہے، وہ یہ کہ ایک رات آپ نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا، تو اس سے نماز میں سستی ہوگئی تھی۔ یہ سن کر یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں آئندہ کبھی بھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاؤں گا۔ (مکاشفۃ القلوب:۶۰)

## شیطان کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بہکانے کی کوشش

شیطان کی عیاری و مکاری بڑی خطرناک ہوتی ہے، وہ کسی کو بھی نہیں چھوڑتا، حتیٰ کہ حضراتِ انبیا علیہم السلام کو بھی نہیں چھوڑتا۔

ایک دفعہ شیطان حضرت عیسیٰ علیہ السلا مکے پاس آیا اور آ کر کہنے لگا: '' آپ تو وہ ہیں کہ اپنی ربوبیت سے شیر خوارگی میں آپ نے کلام کیا؛ جب کہ کوئی اور ایسا نہیں کرسکتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ رُبوبیت واُلوہیت تو اس اللہ کے لیے ہے، جس نے مجھے قوتِ گویائی دی۔

پھر وہ کہنے لگا کہ ائے وہ ذات! کہ جس نے اپنی اُلوہیت سے مُردوں کو زندہ کیا ہے، اے وہ ذات! جس نے اپنی اُلوہیت سے مختلف پرندوں کو بنا کر زندہ چھوڑا۔ حضرت عیسیٰ کہنے لگے ''لاحول ولاقوۃ اِلا باللّٰہ'' میں کہاں کا خدا، میرے اندر کہاں الوہیت؟ الوہیت تو اس اللہ کے اندر ہے، جو مجھے بھی زندگی اور موت دیتا ہے۔ (مکائد الشیطان ابن أبي الدنیا:۷۶)

دراصل شیطان ان باتوں سے ان کو بہکانے کے لیے آیا تھا تا کہ ان کے ذہن میں یہ ڈال دے کہ جیسے لوگ سمجھتے ہیں، اسی طرح یہ اُلوہیت کے حامل ہیں۔ یعنی خدائی صفات ان کے اندر ہیں، تو خدائی صفات کا حامل بتایا اور ان کے ذہن میں یہ بات ڈالنی چاہی تا کہ نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ گمراہ ہوجائیں؛ لیکن اللہ تو انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی حفاظت کرتا ہے اور اپنی عصمت سے ان کو نوازتا ہے؛ اس لیے حضرت عیسیٰ نے فوراً یہ جواب دیا۔

معلوم ہوا کہ شیطان بڑا مکار ہے، عیار ہے، اور اسی لیے وہ چیزوں کو مزین کرتا ہے اور باتوں کو اس انداز میں پیش کرتا ہے کہ انسان بہک جاتا ہے۔

## حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شیطان کو کشتی میں پچھاڑ دیا

ابو وائل رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ شیطان اصحابِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی ایک آدمی کو ملا اور ان سے کشتی کی، مسلمان نے اسے پچھاڑ دیا اور اس نے انگوٹھے کو کاٹا تو شیطان نے کہا کہ مجھے چھوڑ دے، میں تجھے ایسی آیت سکھاتا ہوں کہ ہم شیاطین میں سے جب کوئی اس کو سنتا ہے، تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتا ہے؛ تو ان صحابی نے اسے چھوڑ دیا؛ مگر شیطان نے اس آیت کے سکھانے سے انکار کر دیا، تو پھر ان میں کشتی ہوئی، مسلمان نے اسے پھر پچھاڑ دیا اور اسکا انگوٹھا دبایا اور کہا کہ وہ آیت بتا دے، اس نے انکار کر دیا کہ وہ آیت سکھائے، سہ بارہ ان میں پھر کشتی ہوئی؛ تو شیطان نے کہا کہ وہ آیت {سورۃ البقرہ} میں ہے، یعنی ''آیت الکرسی''۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ اے ابو عبدالرحمان! یہ کس صحابی کا تذکرہ ہے؟ انھوں نے کہا کہ سوائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کون ہوسکتا ہے۔ (حیاۃ الصحابۃ: ۳۶۹/۴)

## موت کے وقت شیطان کی آخری کوشش

انسان کا دشمن عظیم یعنی شیطان آخر وقت تک اپنی اس کوشش میں کوئی کسر نہیں رکھتا کہ آدمی کو کسی طرح ایمان سے محروم کر کے دائمی عذاب کا مستحق بنا دے چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ نزع کے وقت شیطان سامنے آکر کھڑا ہو جاتا ہے اور مختلف انداز سے بہکانے کی کوشش کرتا ہے ایک روایت میں وارد ہے: اُحْضُرُوا مَوْتَاكُمْ وَلَقِّنُوْهُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَبَشِّرُوْهُمْ بِالْجَنَّةِ فَاِنَّ الْحَلِيْمَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ يَتَحَيَّرُ عِنْدَ ذٰلِكَ الْمَصْرَعِ وَاِنَّ الشَّيْطَانَ اَقْرَبُ مَايَكُوْنُ مِنَ ابْنِ اٰدَمَ عِنْدَ ذٰلِكَ الْمَصْرَعِ۔ (کنز العمال بیروت ج۱ ص۲۳۷)

جو مسلمان موت کے قریب ہوں اُن کے پاس رہو اور اُن کو کلمہ طیبہ کی تلقین کرو اور جنت کی بشارت سناؤ اس لیے کہ اِس ہولناک وقت میں بڑے بڑے عقلمند مرد و عورت حواس باختہ ہوجاتے ہیں اور شیطان اس وقت انسان کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی وفات کا وقت جب قریب آیا تو اِن کے صاحبزادے عبداللہ آپ کا جبڑا باندھنے کے لیے سامنے کپڑا لیے ہوئے کھڑے ہوئے تھے، ادھر آپ کا حال یہ تھا کہ کبھی ہوش میں آجاتے کبھی استغراق کی کیفیت ہوجاتی، جب ہوش میں آتے تو ہاتھ سے اشارہ کر کے فرماتے لَا بَعْدَ لَا بَعْدَ (ابھی نہیں، ابھی نہیں) جب کئی مرتبہ یہ کیفیت ہوئی تو صاحبزادے نے پوچھا کہ ابا جان آپ یہ کیا فرمارہے ہیں تو آپ نے جواب دیا کہ شیطان میرے سامنے کھڑا ہے اور دانتوں میں اُنگلیاں دبا کر کہہ رہا ہے کہ افسوس! احمد تم میرے ہاتھ سے چھوٹ گئے۔ میں اُس کے جواب میں کہتا ہوں لَا بَعْدَ لَا بَعْدَ یعنی ابھی تک تیرے فریب سے امن نہیں ہے جب تک کہ ایمانِ کامل پر موت نہ آجائے۔ (التذکرہ ص ۳۹)

امام ابوجعفر قرطبی کی وفات کا جب وقت قریب آیا تو ان سے کہا گیا کہ لا الہ الا اللہ پڑھیے تو وہ برابر لا لا یعنی انکار کا کلمہ فرماتے رہے، کچھ دیر میں جب آپ کو کچھ افاقہ ہوا تو لوگوں نے عرض کیا کہ کلمہ طیبہ کی تلقین کے جواب میں آپ لا فرماتے رہے۔ یہ کیا قصہ ہے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ میں تمہاری تلقین کے مقابلے میں یہ کلمہ نہیں کہہ رہا تھا بلکہ دو شیطان میرے سامنے کھڑے تھے ایک کہتا تھا کہ نصاریٰ کے مذہب پر مرنا دوسرا کہتا تھا کہ یہودیوں کے مذہب پر مرنا۔ ان کے جواب میں میں لا لا (نہیں، نہیں) کہہ رہا تھا۔ (التذکرہ ص ۳۹)

## غزوۂ احد کے دن شیطان کا حضرت جعیل کی شکل اختیار کرلینا

حضرت جعیل رضی اللہ عنہ غزوۂ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک تھے،

غزوۂ احد کے دن انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے اطلاع ملی ہے کہ کل آپ کو شہید کردیا جائے گا، جس کی وجہ سے میں بہت زیادہ بے چین و پریشان ہوں۔ آپ نے یہ سن کر اپنا دستِ مبارک ان کے سینہ پر مارتے ہوئے فرمایا: کیا پورا زمانہ کل نہیں ہے؟ ''کل'' کا اطلاق آنے والے دوسرے دن پر ہوتا ہے۔ اسی طرح ''کل'' کا اطلاق قیامت تک آنے والے ہر دن پر بھی ہوتا ہے۔ (حلیۃ الأولیاء: ۱/ ۳۵۳)

غزوۂ احد میں جب تیراندازوں کی جگہ خالی دیکھ کر خالد بن ولید اور عکرمۃ بن ابی جہل کی فوج نے عقب سے مسلمانوں پر زوردار حملہ کردیا، تو مسلمان گھر گئے اور منتشر ہونے لگے، کتنے ہی صحابۂ کرام شہید اور زخمی ہوئے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی زخمی ہوئے، عین اسی وقت شیطان نے جعیل بن سراقہ رضی اللہ عنہ کی شکل وصورت اختیار کرکے یہ آواز تین مرتبہ لگائی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم قتل کردیئے گئے۔ اس کی وجہ سے اس دن حضرت جعیل کو بڑی مشکل گھڑی اور سخت آزمائش کا سامنا کرنا پڑا جب کہ حضرت جعیل اس وقت حضرت خوّات بن جبیر اور بردہ بن نیار رضی اللہ عنہما کے ساتھ مل کر کفار سے سخت قتل وقتال کرنے میں مصروف تھے۔ مسلمانوں نے شیطان کو حضرت جعیل کی شکل وصورت میں دیکھ کر یہ گمان کیا کہ واقعی جعیل ہی ہیں، انہوں نے ہی جھوٹی آواز لگائی ہے اور غلط پروپیگنڈہ کیا ہے، جس کی وجہ سے انہیں قتل کرنے کے لیے آگے بڑھے۔ حضرت جعیل انکار کرتے رہے کہ میں نے آواز نہیں لگائی ہے؛ مگر مسلمان ان کی بات ماننے سے انکار کرتے رہے تو حضرت خوّات اور بردہ بن نیار رضی اللہ عنہما نے آگے بڑھ کر مسلمانوں کو یہ کہہ کر روکا یہ تو ہم دونوں کے ساتھ مل کر کفار سے لڑنے میں مشغول تھے جھوٹی آواز لگانے والے یہ نہیں ہیں، بلکہ کوئی اور ہے، حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح ان کے متعلق گواہی دی، تو مسلمان ان کے قتل سے رک گئے۔ (سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۳۷۸)

# امّت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بخشش پر شیطان کا افسوس کرنا

حضرت عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امّت کے لئے عرفہ (یعنی ذی الحجہ کی نویں تاریخ) کے دن مغفرت کی دعا کی تو خدا کی جانب سے جواب ملا کہ میں نے ان کو بخش دیا سوائے مظالم کے (یعنی بندوں پر جو آپ کی امّت ظلم کرے گی اس کی مغفرت نہ کروں گا) کیونکہ مظلوم کے لئے ظالم سے حق لوں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا کہ اے پروردگار اگر آپ چاہیں تو مظلوم کو (اپنے پاس سے ظالم کی طرف سے) جنت کی نعمتیں دے دیں اور ظالم کو بخش دیں۔ یہ دعا خدا کی جانب سے قبول نہ کی گئی۔ پھر جب صبح ہوئی (اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم عرفات سے) مزدلفہ پہنچ گئے تو (دسویں تاریخ کو) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر وہی دعا کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی درخواست قبول کر لی گئی۔

راوی کہتے ہیں کہ دعا قبول ہونے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسی آ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہنسی دیکھ کر حضرات ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نے عرض کیا ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں اس وقت تو آپ ہنسا نہیں کرتے تھے (آج) آپ کو کس چیز نے ہنسایا۔ اللہ آپ کو ہنساتا ہی رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ خدا کے دشمن ابلیس کو جب یہ معلوم ہوا کہ یقیناً اللہ عزوجل نے میری دعا قبول فرمائی اور میری امت کو بخش دیا تو اس نے مٹی لے کر (افسوس کے مارے) سر پر ڈالنی شروع کر دی اور ہائے افسوس ہائے افسوس کرنے لگا۔ لہٰذا مجھے اس کی بدحالی دیکھ کر ہنسی آ گئی۔ (مشکوٰۃ)

صاحب لمعات نے لکھا ہے کہ اس سے وہ حقوق مراد ہیں جن کے ادا کرنے کی کوشش کی ہو اور کوشش کے باوجود ادا نہ کر سکا ہو۔

# حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کا مناظرہ

اللہ کی ربوبیت میں کفار و مشرکین کو بھی کوئی شک وشبہ نہیں تھا اور اس پر عموماً کفار و مشرکین بھی ایمان رکھتے تھے ، ہاں تاریخ میں اکے دکے افراد ایسے ملتے ہیں، جو اللہ کی ربوبیت میں بھی اختلاف کرتے تھے اور اللہ کے رب ہونے کا بھی انکار کرتے تھے اور جب ربوبیت کا انکار کرتے تھے تو یہ ظاہر ہے کہ اُلوہیت کا بھی ضرور انکار کرتے تھے۔

ان میں سے ایک نمرود بھی تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں بادشاہ تھا،قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی ربوبیت والوہیت کا منکر تھا اور خود کو خدا قرار دیتا تھا۔

قرآن میں ہے کہ:أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْ حَآجَّ إِبْرَاهِيْمَ فِيْ رِبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللهُ الْمُلْكَ إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيْمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ قَالَ أَنَا أُحْيِيْ وَأُمِيْتُ قَالَ إِبْرَاهِيْمُ فَإِنَّ اللهَ يَأْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ وَاللهُ لاَ يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِيْنَ۔(البقرۃ:۲۵۸)

کیا آپ نے اس کو نہیں دیکھا جس نے حضرت ابراہیم کے ساتھ ان کے رب کے بارے میں مباحثہ کیا تھا؛ جب کہ اللہ نے اس کو بادشاہت دی، جب ابراہیم نے کہا کہ میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا اور موت دیتا ہے، وہ کہنے لگا کہ میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں، ابراہیم نے کہا کہ بے شک اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اس کو مغرب سے نکال دے، پس یہ کفر کرنے ولا مبہوت رہ گیا اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

حضرات مفسرین اور علماء نے بیان کیا ہے کہ اس آیت میں جس کا ذکر ہے وہ بابل کا بادشاہ" نمرود بن کنعان ہے کہا جاتا ہے کہ اس نے چارسو برس تک حکومت کی اور انتہائی سرکشی و بغاوت پر اتر آیا تھا،ظلم وجبر اس کا مزاج تھا، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو اللہ کی وحدانیت کی

طرف دعوت دی تو اس نے کہا کہ وہ اللہ اور تیرا رب کون ہے؟ حضرت خلیل نے کہا کہ ”میرا رب وہ ہے جو موت وحیات کا مالک ہے، جس کو چاہتا ہے زندگی دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے موت دیتا ہے، یہ مختلف چیزوں میں موت وحیات کے مناظر اسی اللہ وحدہ لاشریک لہ کی قدرت وطاقت کی کرشمہ سازی ہے اور اس کا وہی یکتا وتنہا مالک ہے۔ یہ دلیل سن کر اپنے لوگوں کو بے وقوف بنانے اور عوام الناس کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے اس نے کہا کہ یہ کام میں بھی کرتا ہوں، لہٰذا میں بھی خدا ہوں، حضرت سدی وقتادہ وغیرہ مفسرین نے کہا ہے کہ اس نے اس موقعہ پر دو آدمی جن پر کسی مقدمہ کی وجہ سے قتل کا حکم صادر ہو گیا تھا، ان میں سے ایک کو قتل کر دینے کا حکم دیدیا اور ایک کو چھوڑ دیا اور کہا کہ دیکھو یہ موت وحیات میرا کام ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کی غباوت کا اندازہ کر کے اس دلیل سے اعراض کر کے دوسری اس سے بھی زیادہ عام فہم اور واضح دلیل اللہ کی ربوبیت پر دی، آپ نے کہا کہ اللہ تو وہ ہے جو روزانہ مشرق کی جانب سے سورج نکالتا ہے اور مغرب میں ڈبو دیتا ہے، اگر تیرا دعویٰ ہے کہ تو خدا ہے تو ذرا سورج کو مشرق کے بجائے مغرب سے نکال کر بتا دے؟ یہ سن کر وہ مبہوت رہ گیا اور اس کا کوئی جواب نہیں دے سکا۔ (تفسیر طبری: ۳/۲۵، تفسیر ابن کثیر: ۱/۴۱۹)

## نمرود کی پرورش کا واقعہ

نمرود نے اللہ تعالیٰ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا مگر نمرود کو اللہ تعالیٰ نے کیسے پالا؟ ایک جہاز سمندر میں جارہا تھا اور جتنے آدمی جہاز پر تھے سب ڈوب گئے صرف ایک ماں اور اس کا بچہ یہ دونوں بچ گئے جو ایک تختہ پر بہہ رہے تھے۔ اس کے بعد عزرائیل علیہ السلام کو حکم ہوا کہ جاؤ اس بچے کی ماں کی روح بھی قبض کرلو۔ اب بچہ تختہ پر اکیلا بہا چلا جارہا تھا۔ پھر ہواؤں کو حکم ہوا کہ سمندر کے ایک کنارے پر جنگل ہے اس کو وہاں ڈال دو۔ وہ تختہ بہہ کر اُسی جنگل

کی طرف گیا اور جنگل کے کنارے لگ گیا، جنگل میں اللہ تعالیٰ نے ایک شیرنی کو حکم دیا اور وہ اس بچہ کو اُٹھا کر لے گئی اور دودھ پلانے لگی اور دودھ پلا کر اُسے خوب بڑا کر دیا۔ اس کے بعد جنوں کے بادشاہ نے آدابِ شاہی سکھائے۔ ایک دن اللہ تعالیٰ نے حضرت عزرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ اے عزرائیل! تم کو کسی کی روح قبض کرنے میں بھی تکلیف ہوئی؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہاں اللہ میاں! ایک ماں اور بچہ جو سمندر میں ایک تختہ پر بہے جا رہے تھے اور آپ نے ماں کی روح کو قبض کرنے کا حکم دیا تو میرا کلیجہ منہ کو آ گیا کہ اس بچہ کا کیا ہوگا۔ مگر آپ کے حکم کے سامنے کس کی مجال ہے جو لب ہلا سکے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ وہی بچہ بڑا ہو کر میرا سرکش اور نافرمان ہوا اور خدائی دعویٰ کیا اور میرے خلیل کو آگ میں ڈالا۔ یہ شخص نمرود تھا۔ جس ظالم کو ماں باپ نے پالا ہوا اور بواسطۂ اسباب جس کی پرورش ہوئی ہو اس کے لیے تو اسباب حجاب ہو سکتے ہیں مگر اس ظالم کو تو ہم نے براہِ راست پالا، اسباب کا بھی کوئی پردہ نہیں تھا، ماں باپ کے بغیر پالا اور سوناز سے پالا۔ ہم نے سمندر کی موجوں کو حکم دیا کہ اس کو ایسے جنگل میں لے جا کر ڈالو جہاں ریحان وسوسن کے خوشبودار پھول ہوں، میوہ دار درخت ہوں اور میٹھے پانی کے چشمے ہوں، برگِ گل ونسترن سے ہم نے اس کا بستر بنایا، خوش آواز پرندوں کو حکم دیا کہ اپنی سریلی آوازوں سے اس کا دل بہلائیں، سورج کو حکم دیا کہ اس بچہ پر اپنی تیز شعاعیں نہ ڈالے، ہواؤں کو حکم دیا کہ اس پر آہستہ چلیں، شیرنی کو حکم دیا کہ اس کو دودھ پلائے۔ جنوں سے آدابِ شاہی سکھائے اور اس کو میں نے بادشاہی بھی عطا کی۔ غرض اس پر میں نے صد ہا عنایات و اکرام کیے تا کہ بغیر واسطۂ اسباب کے میرا لطف و کرم دیکھ لے اور اسباب کے حجابات بھی نہ رہیں مگر یہی شخص میرا دشمن ہوا اور میرے خلیل کو آگ میں ڈالنے والا ہوا۔ پس اگر کسی شامتِ عمل سے اللہ تعالیٰ عقل پر عذاب نازل کر دے تو پھر خیر نہیں، سب کچھ جان بوجھ کر آدمی ہلاکت میں پڑ جائے۔ اللہ تعالیٰ پناہ میں رکھے۔ (پردیس میں تذکرہ وطن، ص/217)

# حضرت نوح علیہ السلام

قرآن مجید نے متعدد نبیوں کا ذکر کیا ہے جنہوں نے اپنی اپنی قوموں کو بہت سمجھایا بجھایا، ان میں حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو سمجھانے کی کوشش میں ساڑھے نوسو سال صرف کیے، پھر بھی صرف چند گنے چنے لوگوں نے بات مانی اور باقی نافرمانی کرتے رہے، بالآخران کو سزا ملی ،وہ سب کے سب جنہوں نے بات نہیں مانی پانی کے عذاب میں غرق کردیے گئے۔

## قرآن مجید میں حضرت نوح علیہ السلام کا تذکرہ اس طرح آیا ہے

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوْحًا إِلٰى قَوْمِهٖٓ إِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ٥ أَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا إِلَّا اللهَ، إِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ٥ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ، اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ٥ وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ٥ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا، اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ٥ وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ، اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ٥ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللهُ خَيْرًا، اَللهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ، اِنِّيْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ٥ قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ٥ قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ٥ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ، هُوَ رَبُّكُمْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ٥ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ، قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ

اِجْرَامِیْ وَاَنَا بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ، وَ اُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ٥ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْیُنِنَا وَوَحْیِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ٥ وَیَصْنَعُ الْفُلْكَ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَیْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ، قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ٥ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ یَّاْتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ وَیَحِلُّ عَلَیْهِ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ٥ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ قُلْنَا احْمِلْ فِیْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ، وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلٌ٥ وَقَالَ ارْكَبُوْا فِیْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا، اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ٥ وَهِیَ تَجْرِیْ بِهِمْ فِیْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ وَنَادٰی نُوْحُ ابْنَهٗ وَكَانَ فِیْ مَعْزِلٍ یّٰبُنَیَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِیْنَ٥ قَالَ سَاٰوِیْۤ اِلٰی جَبَلٍ یَّعْصِمُنِیْ مِنَ الْمَآءِ، قَالَ لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ وَحَالَ بَیْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِیْنَ٥ وَقِیْلَ یٰۤاَرْضُ ابْلَعِیْ مَآءَكِ وَیٰسَمَآءُ اَقْلِعِیْ وَغِیْضَ الْمَآءُ وَقُضِیَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَی الْجُوْدِیِّ وَقِیْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ٥ وَنَادٰی نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَ٥ قَالَ یٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ٥ اِنِّیْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ٥ قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْئَلَكَ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ، وَاِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَتَرْحَمْنِیْۤ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ، قِیْلَ یٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَیْكَ وَعَلٰۤی اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ، وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ یَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِیْمٌ٥ تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَاۤ اِلَیْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَاۤ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا، فَاصْبِرْ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِیْنَ٥ (سورہ ہود: ۲۵-۴۹)

’’یقیناً ہم نے نوح (علیہ السلام) کو اس کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا کہ میں تمہیں صاف صاف ہوشیار کر دینے والا ہوں، کہ تم صرف اللہ ہی کی عبادت کرو، مجھے تو تم پر دردناک دن کے

عذاب کا خوف ہے، اس پر ان کی قوم میں جو سردار تھے وہ بولے کہ ہم تو تم کو اپنا ہی جیسا ایک انسان دیکھتے ہیں، اور ہم تو بس یہی دیکھتے ہیں کہ تمہارے پیرو وہی ہوئے ہیں جو ہم میں سے بالکل رذیل ہیں، اور وہ بھی سرسری رائے سے، اور ہم تم لوگوں میں کوئی بات اپنے سے زیادہ نہیں مانتے، بلکہ ہم تو تمہیں چھوٹا ہی سمجھتے ہیں، نوح نے کہا کہ اے میری قوم والو! یہ تو بتلاؤ کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک روشن دلیل پر قائم ہوں اور اس نے مجھے رحمت اپنے پاس سے عطا کی ہے اور وہ تمہیں نہ سوجھتی تو کیا ہم اسے تمہارے سر چپکا دیں، درآنحالیکہ تم اس سے نفرت کئے چلے جاؤ، اور میری قوم والو! میں تم سے اس تبلیغ پر کچھ مال تو نہیں مانگتا، میرا معاوضہ بس اللہ ہی کے ذمہ ہے اور میں ان لوگوں کو جو ایمان لے آئے ہیں نکالنے والا نہیں، یہ لوگ اپنے پروردگار کے پاس حاضر ہونے والے ہیں البتہ تم ہی لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ جہالت کیے جارہے ہو، اور میری قوم والو! کون میری حمایت کرے گا اللہ کے مقابلہ میں اگر میں انہیں نکال بھی دوں، کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے ؟ اور میں تم سے یہ تو کہتا نہیں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں اور نہ میں تم سے کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور نہ میں ان لوگوں کے لئے کہہ سکتا ہوں جو تمہاری نگاہوں میں حقیر ہیں کہ انہیں اللہ بھلائی دے گا ہی نہیں، اللہ ہی خوب جانتا ہے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے ورنہ میں ہی ظالم ٹھہروں گا، وہ بولے اے نوح! تم ہم سے بحث کر چکے پھر بحث بھی خوب کر چکے، اب لے آؤ ہمارے سامنے وہ چیز جس سے تم ہم کو دھمکایا کرتے ہو اگر تم سچے ہو، نوح نے کہا اسے تو بس اللہ ہی تمہارے سامنے لائے گا، اگر اس کی مشیت ہوئی اور تم اسے ہرا نہیں سکتے اور میری خیر خواہی تمہیں نفع نہیں پہنچا سکتی گو میں تمہارے ساتھ کیسی ہی خیر خواہی کرنا چاہوں جبکہ اللہ ہی کو تمہارا گمراہ کرنا منظور ہو، وہی تمہارا مالک و پروردگار ہے اور اسی کی طرف تم واپس جاؤ گے، کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ انہوں نے اسے یعنی قرآن کو گڑھ لیا ہے، آپ کہہ دیجئے کہ

اگر میں نے گڑھ لیا ہے تو میرے ہی اوپر میرا یہ جرم رہے گا اور تم جو جرم کر رہے ہو میں اس سے بری رہوں گا، اور نوح کے پاس وحی بھیجی گئی کہ تمہاری قوم میں سے اب اور کوئی ایمان نہیں لائے گا بجز ان کے جواب تک ایمان لا چکے، سو جو کچھ یہ لوگ کرتے رہے ہیں اس پر کچھ غم نہ کرو، اور تم کشتی ہماری نگرانی میں اور ہمارے حکم سے تیار کرو، اور مجھ سے ان لوگوں کے باب میں گفتگو نہ کرنا جنھوں نے ظلم کیا ہے، وہ ڈوب کر رہیں گے، اور نوح کشتی بنانے لگے اور جب جب ان کی قوم کے سرداران کے پاس سے گذرتے تھے تو ان سے تمسخر کرتے، نوح بولے اگر تم ہم سے تمسخر کرتے ہو تو ہم بھی تم پر ہنستے ہیں جیسا تم ہنستے ہو، سو ابھی تمہیں معلوم ہوا جاتا ہے کہ وہ کون ہے جس پر ایسا عذاب آنے کو ہے جو اسے رسوا کر دے گا اور اس پر دائمی عذاب نازل ہوتا ہے، یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آ پہنچا اور زمین میں سے پانی ابلنا شروع ہوا ہم نے کہا کہ اس کشتی میں ہر قسم کے جوڑوں میں سے دو دو کو چڑھا لو اور اپنے گھر والوں کو بھی بجز ان کے جن پر حکم نازل ہو چکا ہے اور ہاں دوسرے ایمان والوں کو بھی، اور ایمان ان کے ساتھ بہت ہی کم لوگ لائے تھے، اور نوح نے کہا آؤ، اس میں سوار ہو جاؤ، اللہ ہی کے نام سے اس کا چلنا ہے، اور اس کا ٹھہرنا، بیشک میرا پروردگار بڑا بخشنے والا بڑا رحمت والا ہے، اور وہ کشتی انہیں لے کر چلنے لگی پہاڑ جیسی موجوں میں، اور نوح نے اپنے لڑکے کو پکارا اور وہ کنارے پر تھا اے میرے پیارے بیٹے! سوار ہو جاؤ ہمارے ساتھ، اور کافروں کے ساتھ مت رہ، وہ بولا میں ابھی کسی پہاڑ کی پناہ لیے لیتا ہوں، وہ مجھے پانی سے بچا لے گا، نوح نے کہا آج کے دن کوئی بچانے والا نہیں اللہ کے حکم سے، البتہ وہی جس پر رحم کر دے، اور دونوں کے درمیان موج حائل ہو گئی، سو وہ ڈوبنے والوں میں ہو گیا اور ارشاد ہوا کہ اے زمین اپنا پانی نگل جا اور اے آسمان تھم جا، اور پانی گھٹ گیا اور کام پورا ہو گیا اور کشتی آ ٹھہری جودی پر، اور کہہ دیا گیا کہ اپنے اوپر ظلم کرنے والے لوگ رحمت سے دور ہو گئے اور نوح نے اپنے پروردگار کو

پکارا اور کہا کہ اے میرے پروردگار! میرا بیٹا تو میرے گھر والوں ہی میں ہے اور تیرا وعدہ بھی بالکل سچا اور تو ہر حاکم کے اوپر حاکم ہے، اللہ نے فرمایا اے نوح! یہ تمہارے گھر والوں میں سے نہیں، یہ ایک تباہ کار شخص ہے، سو مجھ سے ایسی چیز کی درخواست نہ کرو جس کی تمہیں خبر نہ ہو، میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم آئندہ کہیں نادان نہ بن جاؤ، نوح بولے اے میرے پروردگار میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ میں آئندہ تجھ سے ایسی چیز کی درخواست کروں جس کی مجھے خبر نہ ہو، اور اگر تو میری مغفرت نہ کرے اور مجھ پر رحم نہ کرے تو میں نقصان اٹھانے والوں میں آ جاؤں گا اور ارشاد ہوا کہ اے نوح اترو ہماری طرف سے سلامتی اور برکتیں لے کر اپنے اوپر بھی اور ان جماعتوں پر بھی جو تمہارے ساتھ ہیں، اور جماعتیں تو ایسی بھی ہوں گی کہ ہم انہیں چند روزہ عیش دیں گے پھر ان پر ہماری طرف سے عذاب دردناک ہوگا، یہ قصہ اخبار غیب میں سے ہے، ہم نے اسے وحی کے ذریعہ سے آپ تک پہنچا دیا، اس کو اس بتانے سے قبل نہ آپ ہی جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم، سو صبر کیجئے، یقینا نیک انجامی پرہیزگاروں ہی کے لئے ہے۔

## حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ

حضرت نوح علیہ السلام کا دور آیا تو بت پرستی زوروں پر تھی حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنَ۔ اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔

حضرت نوح علیہ السلام دعوت و تبلیغ ساڑھے نو سو برس تک کرتے رہے فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا۔ حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم میں پچاس سال کم ایک ہزار سال رہے یعنی ساڑھے نو سو سال۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام چالیس سال کی عمر میں مبعوث ہوئے ساڑھے نو سو برس دعوت و تبلیغ اور سعی و اصلاح میں مصروف رہے پھر طوفان آیا طوفان کے بعد ساٹھ سال زندہ رہے اسی طرح کل عمر ایک ہزار پچاس سال رہی۔

غور فرمائیے کہ دعوت وتبلیغ کی راہ میں حضرت نوح علیہ السلام نے کس قدر جانفشانی کی اور کس قدر تکلیفیں اور مشقتیں برداشت کیں حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ ان کی قوم ان کو اتنا مارتی کہ وہ گر جاتے تو ان کو ایک کمبل میں لپیٹ کر مکان میں ڈال دیتے تھے اور سمجھتے یہ مر گئے، مگر پھر جب اگلے دن ان کو ہوش آتا تو ان کو اللہ کی طرف بلاتے اور تبلیغ کے عمل میں لگ جاتے محمد بن اسحاق نے عمر بن لیسی سے روایت کیا ہے جب ان کو خبر پہونچی تو نوح علیہ السلام کی قوم ان کا گلا گھونٹ دیتی تھی جس سے وہ بیہوش ہو جاتے اور پھر جب ہوش آتا تھا تو یہ دعا کرتے تھے۔ رَبِّ اغْفِرْ لِقَوْمِي إِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ۔ اے میرے پروردگار میری قوم کو معاف فرمادے کیونکہ وہ جانتی نہیں ایک نسل سے ایمان نہ لانے پر مایوس ہوئی تو یہ امید رکھتے تھے کہ ان کی اولاد میں کوئی ایمان لے آئے گا وہ نسل بھی گذر جاتی تو تیسری نسل سے یہی توقع لگا کر اپنے فرض منصبی میں مشغول رہتے کیونکہ ان نسلوں کی عمریں اتنی طویل نہ تھیں جتنی حضرت نوح علیہ السلام کو بطور معجزہ عطا ہوئی تھی۔

## حضرت نوح علیہ السلام نے بددعا کیوں کی؟

جب ان کی نسل پر نسل گذرتی رہتی اور آنے والی نسل پچھلی نسل سے زیادہ شریر اور بدتر ثابت ہوئی تو حضرت نوح علیہ السلام نے بارگاہ رب العزت میں اپنا شکوہ پیش کیا اور فرمایا میں نے ان کو رات دن اجتماعاً وانفراداً علانیہ اور خفیہ جو بھی طریقہ کسی کو راستے پر لانے کا ہوسکتا تھا وہ سب اختیار کیا کبھی اللہ کے عذاب سے ڈرایا کبھی جنت کی نعمتوں کی ترغیب دلائی اور یہ کہ ایمان وعمل صالح کی برکت سے تمہیں دنیا میں فراخی وخوشحالی نصیب ہوگی۔ کبھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی نشانیوں کو پیش کر کے سمجھایا انہوں نے ایک نہ سنی دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ بھی بتلادیا کہ آپ کی پوری قوم میں جس کو ایمان لانا تھا لے آیا آگے ان میں کوئی ایمان قبول نہیں کرے گا۔ إِنَّهُ لَن

يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ (بے شک آپ کی قوم میں سے ہرگز ایمان نہیں لائیں گے مگر جولا چکے )اس وقت حضرت نوح علیہ السلام کی زبان پر بددعا کے کلمات آئے کئی نبیوں نے بددعائیں کی ہیں کیا ہمارے آقا و مولا سید النبیین والآخرین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے سات سرداروں کے حق میں بددعائیں نہیں کی؟ کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعونیوں پر جب کہ معجزات پر معجزات دیکھنے کے باوجود ایمان نہیں لائے تو ان پر بددعائیں نہیں کی؟ چنانچہ فرمایا رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۔اے میرے پروردگار! ان قبطیوں کے مالوں کو ملیا میٹ کردے اوران کے دلوں کو سخت کردے تا کہ ایمان نہ لائیں جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔لیکن نبیوں کا بددعا کرنا ہماری اورآپ کی طرح نہیں ہوتا کہ بات بات پر اپنے نفس کی خاطر دوسروں پر بددعائیں کریں لعن وطعن کریں انبیاء دین پرلانے کی خاطر طرح طرح کی تکلیفیں برداشت کرتے مصائب جھیلتے بعض دفعہ ان کے فرمائشی معجزات تک کو پورا کردیتے پھران کی بار بار کی درخواست پر عذاب لے آؤ تب عذاب کی دعا کرتے۔ایک بات پر بطور خاص توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ کسی نبی کی ایسی فضیلت و برتری کو بیان کرنا جس سے کسی نبی کی تحقیر وتذلیل ہونا جائز اورحرام ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم اپنے نبی کی فضیلت بیان نہ کریں سارے انبیاء برابر نہیں، تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔ یہ رسول ہیں ان میں بعض کو بعض پر ہم نے فضیلت دی ہمارے آقا مدنی صلی اللہ علیہ وسلم سب نبیوں سے افضل اور برتر ہیں۔

میں حضرت نوح علیہ السلام کی بددعا کا تذکرہ کررہا تھا ایک تو ان کو معلوم ہو گیا تھا کہ اب ان کی قوم میں سے کوئی ایمان قبول نہ کرے گا بس جن کو قبول کرنا تھا کرلیا ان کی تعداد اسی یا سو بتائی جاتی ہے دوسرے یہ کہ اگر کفار کو ہلاک نہ کیا جاتا تو اسّی لوگوں کو بھی وہ گمراہ کردیتے اس لئے ایسے

لوگوں سے خدا کی زمین کو پاک کرنا ازحد ضروری تھا۔آج حال یہ ہے کہ تبلیغ کے لئے کسی کے پاس ایک مرتبہ گئے دومرتبہ گئے، بعد میں چھوڑ دیتے ہیں کہ بار بار کیا جانا جب یہ شخص مانتا ہی نہیں؟ حضرت نوح علیہ السلام نے ایک دومرتبہ نہیں ایک دو دن نہیں ہفتہ دو ہفتہ نہیں مہینہ دومہینہ نہیں سال دوسال نہیں بلکہ مسلسل اور لگا تار ساڑھے نو سو سال تک تبلیغ کرتے رہے تب جا کر اسّی یا چالیس آدمیوں نے ایمان قبول کیا پھر جب اللہ کی طرف سے وحی آ گئی کہ اب اور لوگ ایمان نہیں لائیں گے تو حضرت نوح علیہ السلام نے بددعا کی رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا۔ اے میرے پروردگار زمین پر کسی کافر باشندے کو نہ چھوڑ۔ اگر اللہ تعالیٰ کو حضرت نوح علیہ السلام کی یہ بددعا ناپسند ہوتی تو فوراً وحی نازل ہوتی کہ اے نبی تم مایوس کیوں ہو گئے ہم آگے چل کر ہدایت دیں گے۔

## اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعا سن لی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم تمہاری زبان سے سننے کے منتظر تھے اور حکم ہوا۔وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا۔ کہ ہماری نگرانی میں ایک کشتی تیار کرو اس میں مؤمنوں کو سوار کرنا ہے اس لئے کشتی تیار کرلو یہ بھی یاد رکھو کہ یہ سب کے سب کافر ہیں اس لئے ان کے متعلق مجھ سے درخواست مت کرنا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ۔ یہ سب غرق آب ہو کر رہیں گے۔حکم ملتے ہی حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی بنانی شروع کر دی وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأٌ مِّنْ قَوْمِهٖ۔حضرت نوح علیہ السلام کشتی بناتے تھے اور جب ان کی قوم کے گروگھنٹال ان کے پاس سے گذرتے تو ان کا طرح طرح سے ہنسی ٹھٹا اور مذاق کرتے مِنْ مَتٰى صِرْتَ نَجَّارًا يَا نُوْحُ۔ اے نوح تم کب سے بڑھئی ہو گئے قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ۔حضرت

نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر تم ہم سے ٹھٹھا کرتے ہو تو ہم تم سے ٹھٹا کریں گے جب غرق کئے جاؤ گے، جیسا کہ تم ہم سے ٹھٹا کرتے ہو۔ کفار کہا کرتے تھے کہ ہم نے تو دیکھا ہے کہ کشتی پانی پر چلائی جاتی ہے ایسا لگتا ہے کہ تم اس کشتی کو ریت پر چلاؤ گے؟ یہاں تو دور دراز تک پانی کا نام ونشان بھی نہیں کشتی کس لئے تیار کرر ہے ہو؟ کشتی تیار ہوگئی، روایت میں آتا ہے کہ کشتی کی لمبائی چھ سو گز تھی اور اس کشتی کے مختلف درجے بنائے گئے تا کہ جانوروں کو الگ الگ خانوں میں رکھا جائے۔

## عذاب خداوندی

جب حکم خداوندی آچکا: حَتّٰی اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَ فَارَ التَّنُّوْرُ قُلْنَا احْمِلْ فِیْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ وَ اَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلٌ۔ یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آچکا اور تنور جوش مارنے لگا تو ہم نے کہا کہ کشتی میں ہر جوڑے میں سے دو دو کو سوار کرلو اور اپنے گھر والوں کو مگر جن لوگوں پر بات ثابت ہو چکی یعنی جو ایمان نہیں لائے اور ان پر بہت تھوڑے لوگ ایمان لائے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی میں جانوروں میں سے ایک ایک جوڑے کو اور مومنوں کو سوار کیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا عذاب کی ابتداء تمہارے گھر سے ہوگی حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کیا یا اللہ یہ کیا معاملہ ہے کہ عذاب کا آغاز میرے ہی گھر سے ہوگی؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عذاب کی ابتداء آپ ہی کے گھر سے ہوگی کیونکہ آپ کی بیوی کافرہ ہے آپ کی ایک بیوی وائلہ نامی تھی اور ایک لڑکا جس کا نام تھا یام اور اس کا لقب تھا کنعان، یہ دونوں کافر تھے چنانچہ عذاب کا آغاز ہوا اور تنور جہاں سے آگ نکلا کرتی ہے وہاں سے پانی نکل آیا پھر پوری زمین چشمہ بن گئی اور آسمان کے دہانے کھول دئے کشتی حضرت نوح علیہ السلام اور مومنین کو لئے چل رہی ہے وَهِیَ تَجْرِیْ بِهِمْ فِیْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ۔ اور کشتی

ان کو پہاڑوں کے مانند موجوں میں لے کر چل رہی تھی۔ وَنَادٰی نُوْحُ نِ ابْنَهٗ وَكَانَ فِیْ مَعْزِلٍ یّٰبُنَیَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِیْنَ قَالَ سَاٰوِیْٓ اِلٰى جَبَلٍ یَّعْصِمُنِیْ مِنَ الْمَآءِ قَالَ لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ۔نوح علیہ السلام کا بیٹا کنعان الگ تھلگ تھا اس کو پکار کہا کہ بیٹا ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہوجا اور کافروں کے ساتھ مت رہ بیٹے نے جواب دیا میں تو کسی پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا وہ مجھے بچالے گا حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ آج اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں مگر وہی جس پر رحم کرے اس سے پتہ چلا کہ اگر ایمان وتوحید نہیں تو پھر بھی نہیں بچاسکتا۔شیخ سعدی نے فرمایا۔؎

پسر نوح با بداں بنشست
خاندان نبوتش گم شد

نوح علیہ السلام کے بیٹے نے بروں کی صحبت اختیار کی تو اس کی خاندان کی عظمت وشرافت اور نبوت کچھ کام نہ آسکی۔ کنعان نے تو یہ سمجھا کہ عام بارش ہے اور عام طور سے بارش زیادہ ہوتی نہیں کبھی کبھی دو تین سینٹی میٹر ریکارڈ کی جاتی ہے تو ایسی صورت میں کتنے مکانات گر جاتے ہیں درخت زمین بوس ہوجاتے ہیں بڑا طوفان سمجھا جاتا ہے اور پورا نظام درہم برہم ہوجاتا ہے پورے راستے جام اور مسدود ہو جاتے ہیں وہاں کتنی بارش ہوئی کہ بہت سے پہاڑوں کو بھی عبور کرگئی وہاں سینٹی میٹر اور فٹ کا حساب نہیں میٹر کا حساب نہیں بلکہ کلومیٹر کا حساب تھا اور دستور ہے کہ بارش ہوتی ہے پھر دو چار گھنٹے بعد بند ہوجاتی ہے اس کے باوجود بڑا نقصان ہوتا ہے اور وہاں تو مسلسل چھ مہینے تک بارش ہوتی رہی پوری دنیا تباہ و برباد ہوگئی صرف وہی لوگ باقی رہے جو کشتی میں سوار تھے یعنی حضرت نوح علیہ السلام اور مومنین اور وہ جانور، جانور بھی مختلف طرح کے تھے کیونکہ جانور بھی بہت سے کام کاج کے لئے ہوا کرتے ہیں بعض تو کھانے کے کام آتے

ہیں بعض بار برداری اور دودھ دیتے ہیں بعض کی ہڈیاں بڑی مفید اور کارآمد ہوا کرتی ہیں اس لئے جانوروں کو بھی ساتھ میں رکھا گیا اور ان کے مختلف درجے بنائے گئے تھے تاکہ ایک جانور دوسرے جانور پر حملہ نہ کردے کیوں کہ اگر ایک جگہ شیر اور بکری کو رکھ دیا جائے گا تو ظاہر ہے کہ شیر بکری پر حملہ کردے گا اس لئے اس کا بھی بطور خاص خیال رکھا گیا تھا۔

## لطیفہ

ایک شخص کو جادو سیکھنے کا شوق ہوا اس نے دیکھا کہ ایک جگہ شیر کا ڈھانچہ پڑا ہوا ہے سوچا کاش آج مجھے جادو آتا تو اپنے جادو کے ذریعہ اس شیر کے ڈھانچے کو زندہ کردیتا چنانچہ نجومی کے پاس گیا اس سے پوچھا کہ جادوگر کہاں ملیں گے اس نے بتایا کہ فلاں جگہ رہتے ہیں وہاں جاکر پوچھا تمہارے سب سے بڑے گرو کون ہیں؟ لوگوں نے بتایا، یہ ہیں، ہمارے گرو اور بڑے استاذ، ان کی صحبت میں رہنے لگا اور کہا کہ حضور مجھے صرف یہ سکھا دیجئے کہ جادو کے ذریعہ شیر کو زندہ کرلوں چنانچہ کچھ دنوں میں سیکھ گیا اور اپنا جنتر منتر لے کر پہنچا اور اس ڈھانچے پر پڑھا شیر زندہ ہوگیا اور اس شخص کو کھالیا پھر استاذ پہنچا اور جادو کے ذریعہ انہوں نے بھی شیر کو زندہ کیا پوچھا کہ آدمی کو کیوں کھالیا؟ اس نے بڑا معقول جواب دیا شیر نے کہا یہ خالق بننے کی ہمت تو کر بیٹھا یعنی زندہ کرنا تو اللہ کا کام ہے تو خالق بننے کا بڑا شوق ہوا رازق بننے کا شوق نہ ہوا جب میں زندہ ہوگیا آخر مجھے رزق بھی تو چاہئے تھا میں نے آس پاس دیکھا کوئی نظر نہ آیا تو میں نے اسی کو اپنی غذا بنالیا۔

تو نوح علیہ السلام نے درندوں کو الگ الگ خانہ میں رکھا پھر کشتی پانی کو چیرتی پھاڑتی جودی پہاڑ پر جا رکی، ارشاد باری تعالیٰ ہے وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ وَقِيلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۔ اور کہا گیا کہ اے زمین اپنا پانی نگل جا اور آسمان تھم جا اور سکھا دیا گیا پانی اور کام

ہو چکا اور کشتی جودی پہاڑ پر پہنچی اور حکم ہوا دور ہو ظالم قوم، حاشیہ شیخ الہند میں بعض لوگوں کا قول ذکر کیا گیا ہے کہ جودی پہاڑ موصل میں تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوتا ہے۔ قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ۔ حکم ہوا کہ اے نوح اترو ہماری طرف سے سلامتی اور برکت لے کر اپنے اوپر بھی اور ان جماعتوں پر بھی جو تمہارے ساتھ ہیں پھر نوح علیہ السلام اناسی آدمیوں کو لے کر زمین پر اترے اور جس جگہ شہر بسایا اس کا نام رکھا ’’ثمانین‘‘۔

بعض نے یہ قصہ بیان کیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے ایک کوّے کو بھیجا کہ جاؤ خبر لے کر آؤ وہ آیا اور دیکھا کہ بے شمار مردے پڑے ہیں نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر گوشت کھانے میں لگ گیا پھر ایک کبوتر کو بھیجا وہ جب واپس گیا تو اس کے چونچ میں زیتون کا پتہ اور پنجوں میں کیڑ الگا ہوا تھا اس سے نوح علیہ السلام سمجھ گئے کہ اب پانی چھٹ گیا اس طرح کے واقعات غیر معتبر ہیں بہر حال اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ اے نوح برکت اور سلامتی کے ساتھ اتر آؤ اور زمین کو حکم دے دیا کہ پانی کو نگل جاؤ تو نوح علیہ السلام کو یہ تحقیق کرنے کی کیا ضرورت کہ پانی ختم ہوا یا نہیں؟ کیا نوح علیہ السلام کو اعتماد و یقین نہیں تھا خدا پر؟ نعوذ باللہ! اس لئے اس طرح کے واقعات پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت نہیں؟

روایتوں میں آتا ہے کہ یہ پوری دنیا طوفان نوح کے بعد ان کے تین بیٹوں حام، ثام اور یافث سے آباد ہوئی اور تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی نسل میں سے ایک شخص کا نام تھا ہند، غالبا پوتا یا پڑ پوتا تھا اس نے ہمارے اس ملک میں سکونت اختیار کی اسلئے اس ملک کا نام ہندوستان پڑا اسی طرح سندھ کشمیر دکن یہ سب ان کے پوتوں اور پڑ پوتوں کے نام تھے انہوں نے ایک ایک جگہ سکونت اختیار کی تو وہ جگہ انہیں کے نام سے موسوم ہوگئی جو آج مختلف شہروں کے نام ہیں کیونکہ پوری دنیا کی آبادی حضرت نوح علیہ السلام سے چلی اسلئے ان کو آدم ثانی

کہا جاتا ہے یہ ہوا حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ اس سے ہم کو چند سبق ملتے ہیں۔

(۱) دین کی خاطر ہر طرح کی قربانی دینے کے لئے تیار رہنا۔

(۲) پہاڑوں کی چٹانوں اور سمندر کی موجوں جیسے مایوس کن حالات پیدا ہو جائیں تب بھی ایک مرد مومن کا کام یہ ہے کہ کوشش کئے جائے اور اللہ کی رحمت کا امیدوار رہے آپ سوچ رہے ہوں گے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے تو بد دعا کی تھی تو یاد رکھئے اللہ تعالیٰ نے فرما دیا تھا اب اور کوئی ایمان نہیں لائے گا بس اس زمین پر گمراہ کرنے والے ہی رہ گئے ہیں، اس لئے حضرت نوح علیہ السلام نے بد دعا فرمائی۔

(۳) جس طرح اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہیں اسی طرح شدید العقاب اور عزیز ذوالنتقام بھی ہیں کبھی بھی گرفت کر سکتے ہیں۔ (تفسیری خطبات حبان جلد اول، ص/ 567)

## ایک بستی کو الٹنے کا حکم

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ اللہ جل جلالہ نے حضرت جبرئیلؑ کو حکم فرمایا کہ فلاں فلاں بستی کو اس کے رہنے والوں کے ساتھ الٹ دو۔ حضرت جبرئیلؑ نے عرض کیا، اے پروردگار، ان میں آپ کا فلاں بندہ بھی ہے جس نے پلک جھپکنے کے بہ قدر بھی آپ کی نافرمانی نہیں کی (کیا اس کو بھی عذاب میں شریک کر لیا جائے) اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہوا کہ اس بستی کو اس شخص پر اور باقی تمام رہنے والوں پر الٹ دو کیوں کہ (یہ شخص خود تو نیکیاں کرتا رہا اور نافرمانی سے بچتا رہا، لیکن) اس کے چہرے پر میرے (احکام) کے بارے میں کبھی کسی وقت شکن (بھی) نہیں پڑی۔ (مشکوٰۃ شریف)

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضہ کی انجام دہی میں کوتاہی کرنے کا وبال کس قدر ہے اس حدیث سے ظاہر ہے۔

# قوم عاد کی میراث

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے بقدرِ ضرورت مکان کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ ''مختصر مکان ضرورت کے لائق کافی ہے زیادہ اونچا مناسب نہیں حدیث میں ہے و بیت یتدخل فیہ کہ مکان ایسا ہو کہ جس میں بتکلف داخل ہو سکے، زیادہ اونچا کرنا مکان کو قوم عاد کی میراث ہے، قومِ عاد شان کے لئے نئے نئے اونچے اونچے مکان بنایا کرتے تھے'' ( آگے فرماتے ہیں ) بلاضرورت اونچا اور وسیع مکان بنانا فضول ہے بقدرِ ضرورت بنانا چاہیے ہاں اگر کسی شخص کو ضرورت زیادہ ہو کہ آدمی بھی ہوں اور جانور بھی، ان کی مقدار کے موافق وسعت کرنے میں مضائقہ نہیں ہے، غرض اللہ تعالیٰ نے نفس بنیان پر نکیر نہیں فرمائی، ہاں بنیان مذموم پر نکیر فرمائی''۔ (حقیقت مال وجاہ ص ۶۰۲)

# قوم عاد کی ساری طاقتیں دھری رہ گئیں

یہ قوم عاد...... جسے اپنی قومی طاقتوں پر ناز تھا...... جسے اپنی اکثریت پر گھمنڈ تھا،......مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ہم سے بڑھ کر طاقت والا ہے کون؟ ساٹھ ہاتھ لامبے قد، بیس ہاتھ چوڑے سینے...... پتھر پر مکا مارے تو ریت بنادے...... نبی نے آکر پیار کے ساتھ سمجھایا مَا لَکُمْ مِنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ، ایک اکیلے اللہ کی عبادت کرو............ جو راستہ میں تمہارے لئے لے کر آیا ہوں اسے اپنالو۔

کیوں مانیں خدا کو...... کیوں مانیں خدا کی ...... کیوں مانیں نبی کو...... کیوں مانیں نبی کی، ہم تو من مانی کریں گے، جی چاہی گذاریں گے، کیا ہوا؟

سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمَانِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا فترى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِنْ بَاقِيَةٍ۔

سات راتوں کی اور آٹھ دنوں کی مسلسل آندھی چلائی ہے خدانے اس قوم پر۔ ساٹھ ہاتھ لانبے قدانسانوں کو تیز وتند ہواؤں نے ایسا پچھاڑا ہے زمین پر جیسے کھجور کے خشک تنے زمین پر کھڑے پڑے ہوں۔

دوسری جگہ قرآن کہتا ہے كَاَنۡ لَّمۡ تَغۡنَ بِالۡاَمۡسِ، گویا پہلے وہاں آبادی تھی ہی نہیں۔

قوم سبا کو اپنے باغات پر اپنے زمیندارہ پر غرور تھا گھمنڈ تھا...... انہیں بھی سمجھا رہے ہیں۔ خدا کہہ رہا ہے: كُلُوۡا مِنۡ رِّزۡقِ رَبِّكُمۡ وَاشۡكُرُوۡا لَهٗ ؕ بَلۡدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوۡرٌ۔

اللہ کی دی ہوئی ہیں...... ننگے آئے تھے ماں کے پیٹ سے تو کچھ بھی نہیں لائے تھے...... یہ زمیندارہ خدا نے تمہیں دیا ہے...... یہ باغات تمہارے پھلوں سے لدے ہوئے۔

ءَاَنۡتُمۡ تَزۡرَعُوۡنَهٗۤ اَمۡ نَحۡنُ الزّٰرِعُوۡنَ، تم اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں؟

تم نے تو بھلے ٹنگے بیج کو بھی کھاد میں گوبر اور پائخانہ میں ملا کر اسے رائگاں اور برباد کر دیا تھا...... ہم نے زمینوں کے سینے چیرے ہیں...... ہم نے زمینوں کے جگر پھاڑے ہیں...... ہم نے اس بیج کو کونپل کی شکل میں لا کر درخت...... اور درخت کو پھل دار بنایا ہے...... ہمیں پہنچانو۔

كُلُوۡا مِنۡ رِّزۡقِ رَبِّكُمۡ وَاشۡكُرُوۡا لَهٗ، اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو کھاؤ اور اس کی قدر کرو۔

## قوم عاد اور حضرت ہود علیہ السلام

قرآن کریم نے جن اقوام کا ذکر کیا ہے ان میں قوم عاد بھی ہے اور یہ قوم عرب کے قدیم قبائل میں شمار ہوتی ہے کہا جاتا ہے کہ عرب کے قدیم باشندے کثرت افراد وقبائل کے اعتبار سے ایک باعظمت وسطوت جماعت کی حیثیت میں تھے، جو عرب سے نکل کر شام، مصر، بابل کی طرف بڑھے اور وہاں زبردست حکومتوں کی بنیادیں قائم کی، عرب ان باشندوں کو امم بائدہ یا عرب عاربہ کہتے ہیں

اوران کی مختلف زبانوں کو عاد، ثمود، طسم ،اور جدیس کہتے ہیں اور یہ عاد بلا کسی اختلاف کے عرب نژاد ہیں اور عاد کا لفظ بھی عربی ہے اس کے معنے ہوتے ہیں بلند ومشہور قوم عاد کا مقام ارض احقاف ہے، بعض مورخین کہتے ہیں ان کی آبادی عرب کے سب سے بہترین حصہ حضرموت اور یمن میں خلیج فارس کے ساحل سے حدود عراق تک وسیع تھی اور یمن کا ان کا دارالحکومت تھا، اور یہ قوم بت پرست تھی اور صنم پرستی کے ساتھ صنم تراشی کی ماہر تھی اور قوم نوح کے جو بت تھے ود، سواع، یغوث، یعوق، اورنسر، وہی ان کے بت تھے۔ (قصص القرآن: ۱/ ۱۰۳-۱۰۴)

اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت واصلاح کے لیے انہیں میں سے ایک معزز فرد حضرت ہود علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا آپ نے اپنے فرض منصبی کے مطابق ان کو بت پرستی اور شرک سے باز آنے او روحدانیت پر قائم ہونے کی دعوت دی، نیز ان کے ظلم وجور اور بغاوت وسرکشی دنیا میں انہماک اور آخرت سے اعراض پر ان کو تنبیہ فرمائی مگر ان میں اکثر لوگ اپنی دنیوی شان وشوکت اپنی قوت وطاقت اور اور مال ودولت کے گھمنڈ میں حضرت ہود علیہ السلام کی بات کو ماننے سے گریز کرنے لگے اور بحث ومباحثہ پر اتر آئے اور حضرت ہود علیہ السلام کی شان میں گستاخی کرنے لگے۔

حضرت ہود علیہ السلام نے ان سے فرمایا کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں میں تمہارے پاس معتبر رسول بنا کر بھیجا گیا؛ لہٰذا اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو میں تم سے کوئی اجرت وبدلہ نہیں مانگتا میرا اجر وبدلہ تو رب العالمین ہے کیا تم اونچی زمین پر کھیلنے کو ایک شان بناتے ہو؟ اور ایسے صنعتیں بناتے ہو کہ تم کو یہاں ہمیشہ رہنا ہے اور جب کسی پر ہاتھ مارتے ہو تو ظلم وجبر کرنے والوں کا سا ہاتھ مارتے ہو، اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو اور اس (اللہ) سے ڈرو جس نے تم کو پہنچائی وہ چیزیں جن کو تم جانتے ہو اور چوپائے اور بیٹے اور باغ اور چشمے دئے میں تم پر بڑے دن (قیامت کے دن) کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ (شعراء)

مگر حضرت ہود کی یہ نصیحتیں وہدایتیں ان پر اثر انداز نہیں ہوئیں؛ بلکہ وہ لوگ اور زیادہ ضد

وہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرنے لگے اور حضرت ہود علیہ السلام کا مذاق واستہزا کرنے لگے اور ان کو بیوقوف قرار دینے لگے؛ بلکہ ان کے دلائل وبراہین کو جھٹ لانے اور ان کو جھوٹا ٹھہرانے لگے چنانچہ کہا: قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ۔ (الاعراف:٦٦)

ہم تجھے اے ہود حماقت وبیوقوفی میں مبتلا دیکھتے ہیں اور ہم تو تجھے جھوٹوں میں سے سمجھتے ہیں۔

نیز ان لوگوں نے کہا کہ اے ہود تو ہمارے پاس کوئی دلیل کے ساتھ نہیں آیا اور ہم تیری بات سے ہمارے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں اور نہ ہم تجھ پر ایمان لانے والے اور ہم تجھ کو جو کچھ کہہ سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ تجھ پر ہمارے معبودوں اور دیوتاؤں میں سے کسی کی مار پڑ گئی ہے (ہود) اور کہا کہ ہم سے زیادہ قوت والا کون ہے؟ (سجدہ)

پھر حضرت ہود سے انہوں نے مطالبہ کیا کہ اگر تم جو عذاب کا وعدہ کرتے ہو وہ سچا ہے تو عذاب لے آؤ حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا کہ عذاب کب آئے گا اس کا علم تو اللہ کو ہے؛ لیکن اگر تمہاری سرکشی اور طغیانی کی یہی حالت رہی تو ضرور عذاب آ کر رہے گا اور چوں کہ وہ لوگ حضرت ہود علیہ السلام کی ان کھری کھری باتوں کا جواب نہ دے سکے اس لیے ان کے خلاف مکرو سازش کرنے لگے حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا کہ تم سب کے سب مل کر میرے خلاف سازش کرلو اور مجھ پر کوئی مہلت نہ دو (مگر نتیجہ دیکھ لو) کیوں کہ میں تو اللہ پر بھروسہ کرتا ہوں جو کہ میرا پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار ہے۔

غرض جب قوم عاد انتہائی شرارت وبغاوت پر اتر آئی اور اپنے نبی کے خلاف سازش کرنے لگی تو قانون خداوندی کے تحت پاداش عمل اور قانون جزا کا وقت آ پہنچا اور اللہ کا غضب ان پر بھڑکا اور اولاً ان پر خشک سالی کا عذاب مسلط ہوا جس سے وہ عاجز درماندہ نظر آنے لگے حضرت ہود علیہ

السلام نے دوبارہ ان کو سمجھاتے ہوئے فرمایا کہ اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو اور اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ وہ تمہارے اوپر آسمان سے برسنے والے بادل بھیجے گا اور تمہاری قوتوں پر نئی قوتیں بڑھادے گا اور تم اس سے منہ نہ موڑو۔ (ہود)

مگر وہ برابر اپنی سرکشی پر قائم رہے تب ان پر ہولناک عذاب بھیجا گیا اور ان کو بادل نظر آئے جو ان کی وادیوں کی طرف آرہے تھے کہنے لگے کہ یہ بادل ہم پر برسیں گے مگر اسی میں انکا عذاب پوشیدہ تھا یہ ہوا تھی تیز وتند جب مسلسل آٹھ دنوں تک یہ ہوائیں اور آندھیاں ان پر چلائی گئیں تو ان کو اور ان کی آبادی کو انہوں تہہ وبالا کر کے رکھ دیا تنومند انسان بے حس وحرکت لاشوں کی شکل میں پڑے ہوئے تھے اور اپنی جسمانی طاقتوں اور قوتوں پر مغرور اور اپنی شان وشوکت کے گھمنڈ میں سرمست سرکش انسان اس طرح پڑے ہوئے تھے جیسے کسی درخت سے شاخوں کو کاٹ کر ڈالا گیا ہو بس اس عذاب سے بچنے والے صرف وہ لوگ تھے جن کو سرمست وسرکش مغرور لوگ حقارت آمیز نظروں سے دیکھتے تھے اور وہ اللہ کے پیغمبر حضرت ہود علیہ السلام کے ہاتھ ایمان لائے ہوئے تھے۔

## عالم اپنی قوم میں مثل نبی کے ہوتا ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرَاتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ۔

اس آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک تیسرا ادب سکھلایا گیا ہے کہ جس وقت آپ اپنے مکان اور آرام گاہ میں تشریف فرما ہوں اس وقت باہر کھڑے ہو کر آپ کو پکارنا خصوصاً گنوارپن کے ساتھ کہ نام لے کر پکارا جائے یہ بے ادبی ہے، عقل والوں کے یہ کام نہیں۔

امام بغوی نے بروایت قتادہ رضی اللہ عنہ ذکر کیا ہے کہ قبیلہ بنو تمیم کے لوگ جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے جن کا ذکر اوپر آیا ہے، یہ دوپہر کے وقت مدینہ میں پہنچے جب کہ آپ کسی حجرہ

میں آرام فرمارہے تھے، یہ لوگ اعراب (دیہات کے لوگ) آدابِ معاشرت سے ناواقف تھے انہوں نے حجرات کے باہر ہی سے پکارنا شروع کردیا، اخرج الینا یا محمد اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں اس طرح پکارنے کی ممانعت اور انتظار کرنے کا حکم دیا گیا، مسند احمد، ترمذی وغیرہ میں بھی یہ روایت مختلف الفاظ سے آئی ہے (مظہری)

صحابہ وتابعین نے اپنے علماء ومشائخ کے ساتھ بھی اسی ادب کا استعمال کیا ہے، صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب میں کسی عالم صحابی سے کوئی حدیث دریافت کرنا چاہتا تھا تو ان کے مکان پر پہنچ کر ان کو آواز یا دروازہ پر دستک دینے سے پرہیز کرتا اور دروازہ کے باہر بیٹھ جاتا تھا کہ جب وہ خود ہی باہر تشریف لاویں گے اس وقت ان سے دریافت کروں گا، وہ مجھے دیکھ کر فرماتے کہ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی، آپ نے دروازہ پر دستک دے کر کیوں نہ اطلاع کردی تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عالم اپنی قوم میں مثل نبی کے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے نبی کی شان میں یہ ہدایت فرمائی ہے کہ ان کے باہر آنے کا انتظار کیا جائے، حضرت ابوعبیدہ نے فرمایا کہ میں نے کبھی کسی عالم کے دروازہ پر جاکر دستک نہیں دی بلکہ اس کا انتظار کیا کہ وہ خود ہی جب باہر تشریف لاویں گے اس وقت ملاقات کروں گا۔ (معارف القرآن سورۃ حجرات پ ۲۶ ص ۱۰۲ ج ۸)

## سرکشی و برائی سے روکنے کی تعلیم

قرآن وحدیث کی تعلیمات سے بے اعتنائی کا ماحول پیدا ہوتے ہی ہمارے معاشرہ میں ظلم وبرائی کی روک تھام برائے نام رہ گئی ہے۔ ہمارے ملکی قوانین بھی مال وزر کی نذر ہوتے جارہے ہیں۔ اچھائی کو روکنے اور برائی کو پنپنے کا ماحول بڑی تیزی سے جڑ پکڑتا جارہا ہے اس سلسلے میں قرآن وحدیث کی رہنمائی ملاحظہ ہو۔

حدیث پاک میں آیا ہے کہ ظلم کو دیکھو تو طاقت سے روک دو، یہ اگر ممکن نہیں تو زبان سے روک دو۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو کم از کم دل سے برا مانو اور یہ ایمان کا ضعیف ترین درجہ ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ۔ اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے لوگوں کو برائی سے روکنے کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا کہ ایک بزرگ کو میں نے دریائے دجلہ کے کنارے صومعہ میں خلوت گزیں دیکھا۔ حاضر بارگاہ ہو کر ادب سے سلام کیا۔ اشاروں میں سلام کا جواب دیا اور بیٹھنے کو کہا پھر درویش نے مجھ سے کہا میں پچاس برس سے اس جگہ گوشہ نشیں ہوں کبھی تمہاری طرح میں بھی سیاحت کرتا تھا۔ ایک بار ایک سخت گیر آدمی کو لوگوں پر ظلم ڈھاتے ہوئے دیکھا اور میں نے اسے ظلم سے باز رہنے کی تعلیم نہ دی اور چشم پوشی کی۔ غیب سے آواز آئی اے درویش! اگر تو اسے ظلم سے باز رہنے کے لئے کہہ دیتا تو تمہارا کیا بگڑ جاتا لیکن تو نے صرف ترک مروت کے خوف سے ایسا نہیں کیا پھر کہنے لگے اس دن سے مجھے اتنی شرمندگی ہوئی کہ صومعہ میں معتکف ہو گیا۔

سوچتا ہوں کہ اگر باہر نکلا اور ظلم و برائی کو دیکھا اور باز آنے کی تعلیم نہ دی تو خدائے تعالیٰ کو کیا جواب دوں گا؟ میں نے اس دن سے قسم کھائی کہ باہر نہیں جاؤں گا تا کہ کسی واقعہ کا گواہ نہ بنوں۔

خواجہ غریب نواز کی حیات و تعلیمات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ لوگوں کو ظلم سے روکنے کا جذبہ پوری زندگی ان کے اندر کارفرما رہا چنانچہ ایک مرتبہ ایک بے کس کسان کا قطعہ ارضی سلطان شمس الدین التمش کے کارندوں نے جبراً ہڑپ لیا۔ وہ مجبور غریب نواز کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور اپنی پریشانی بیان کی۔ حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ بذات خود سلطان شمس الدین التمش کے پاس گئے اور اس غریب کسان کی سفارش کی۔ بادشاہ نے کہا حضور کو زحمت اٹھانے کی ضرورت نہیں تھی فقط حکم دے کر کسی کو بھیج دیتے تو یہ خادم آپ کے حکم کی تعمیل میں کوئی تامل نہ کرتا۔

حضرت غریب نواز نے کہا مظلوم کی حمایت میں جو وقت گذرتا ہے وہ عبادت میں شمار ہوتا ہے اس لئے میں خود ہی چلا آیا۔ (افادات حکیم الامت، ص/122)

## تصویر بنانے والا سب سے بڑا ظالم

حدیثِ قدسی میں ہے، اللہ تعالیٰ اِرشاد فرماتے ہیں: "وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذَهَبَ يَخْلُقُ خَلْقًا كَخَلْقِي؟ فَلْيَخْلُقُوا ذَرَّةً، أَوْ لِيَخْلُقُوا حَبَّةً أَوْ لِيَخْلُقُوا شَعِيرَةً" اُس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو میری طرح پیدا کرنا (بنانا) چاہے، اُسے چاہیے کہ ایک چیونٹی، ایک دانہ یا جَو تو بنا کر دکھائے۔ (مسلم:2111، بخاری:5953)

## تصویر بنانے والے کیلئے نبی کریم ﷺ کی بددعاء

حضرت اُسامہ بن زید فرماتے ہیں کہ میں کعبہ کے اندر نبی کریم ﷺ کے پاس داخل ہوا، آپ ﷺ نے کچھ تصویریں دیکھیں تو پانی کا ایک ڈول منگایا، میں پانی لیکر آیا تو آپ ﷺ نے خود اُن تصویروں کو مٹانا شروع کر دیا اور آپ یہ کہہ رہے تھے: "قَاتَلَ اللّٰهُ قَوْمًا يُصَوِّرُونَ مَا لَا يَخْلُقُونَ" اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو مارے جو ایسی چیزوں کی تصویریں بناتے ہیں جو وہ پیدا نہیں کر سکتے۔ (مسند ابوداؤد طیالسی:657)

## تصویر بنانے والا ملعون ہے

حضرت ابوجحیفہ فرماتے ہیں: "إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ ثَمَنِ الدَّمِ، وَثَمَنِ الْكَلْبِ، وَكَسْبِ الْبَغِيِّ، وَلَعَنَ آكِلَ الرِّبَا وَمُوكِلَهُ، وَالْوَاشِمَةَ وَالْمُسْتَوْشِمَةَ وَالْمُصَوِّرَ" نبی کریم ﷺ نے خون، کتا اور زانیہ کی اُجرت وکمائی سے منع فرمایا اور سود کھانے والے پر، کِھلانے والے پر، جسم گودنے والی عورتوں پر (جو جسم گود کر اس میں رنگ بھرتی ہیں) اور اُن عورتوں پر جو یہ کام کرواتی ہیں اور تصویر بنانے والے پر لعنت فرمائی۔ (بخاری:5962)

## تصویر والے گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ اُنھوں نے ایک تکیہ خریدا جس میں تصویریں بنی ہوئی تھیں، پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (گھر میں داخل ہوتے ہوئے) دروازے پر رُک گئے اور داخل نہیں ہوئے، میں نے کہا: "أَتُوبُ إِلَى اللّٰهِ مِمَّا أَذْنَبْتُ" میں اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی توبہ کرتی ہوں (مجھ سے کیا خطاء سرزد ہوگئی ہے؟) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: "مَا هٰذِهِ النُّمْرُقَةُ" یہ (تصویروں والا) تکیہ کیوں رکھا ہے؟ میں نے کہا: "لِتَجْلِسَ عَلَيْهَا وَتَوَسَّدَهَا" تاکہ آپ اِس پر بیٹھیں اور ٹیک لگائیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: "إِنَّ أَصْحَابَ هٰذِهِ الصُّوَرِ يُعَذَّبُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يُقَالُ لَهُمْ: أَحْيُوا مَا خَلَقْتُمْ، وَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَا تَدْخُلُ بَيْتًا فِيهِ الصُّورَةُ" بیشک قیامت کے دن اِن تصویروں (کے بنانے) والے لوگ عذاب دیے جائیں گے اور اُن سے کہا جائے گا: جو تم لوگوں نے تخلیق کیا ہے اُن کو زندہ کرو، اور بیشک فرشتے اُس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر ہو۔ (بخاری:5957)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اِرشاد ہے: "لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ وَلَا تَصَاوِيرُ" فرشتے اُس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویریں ہوں۔ (بخاری:5949)

ایک اور روایت میں ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اِرشاد ہے: "لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيهِ صُورَةٌ، وَلَا كَلْبٌ، وَلَا جُنُبٌ" ملائکہ (رحمت) اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر، کتا یا جنبی ہو۔ (ابوداؤد:4152)

ایک اور روایت میں ہے: فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا ہو یا کوئی تصویر ہو۔ لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ، وَلَا تِمْثَالٌ۔ (ابوداؤد:4153)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بیشک جبرائیل نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ آج کی رات مجھ

سے ملاقات کریں گے لیکن انہوں نے مجھ سے ملاقات نہیں کی۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں خیال آیا کہ ہمارے بستر کے نیچے ایک کتے کا پلا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً اُسے نکالنے حکم دیا چنانچہ اسے نکالا گیا پھر آپ نے اپنے دست مبارک پر پانی لیا اور پلے کی جگہ پر چھڑک دیا۔ جب حضرت جبرائیل نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات فرمائی تو کہا: "إِنَّا لَا نَدْخُلُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ وَلَا صُورَةٌ" ہم ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا ہو اور نہ تصویر والے گھر میں۔ اگلے دن صبح کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتوں کے قتل کا حکم دے دیا یہاں تک کہ چھوٹے کھیت کی حفاظت کے لیے کتے کو بھی مارنے کا حکم دیدیا البتہ بڑے کھیت کی حفاظت والے کتے کو چھوڑ دینے کا حکم دیا۔ (ابوداؤد: 4157)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت جبرائیل میرے پاس آئے اور مجھ سے کہا کہ گزشتہ رات آپ کے پاس آیا تھا پس میں اِس لئے داخل نہیں ہوا کیونکہ دروازہ پر مورتیاں بنی تھیں اور گھر میں تصویروں سے منقش پردہ کا کپڑا تھا۔ اور گھر میں کتا بھی تھا۔ لہٰذا آپ گھر میں موجود تصاویر کے تو سر کاٹنے کا حکم دیدیجیے تو وہ درخت کی طرح (بے جان) ہو جائیں گے اور پردہ کے بارے میں حکم دیں کہ اسے کاٹ دیا جائے پس اس میں بیٹھنے کے لئے دو مَسندیں (بیٹھنے کی گدیاں) بنالی جائیں جو روندی جائیں گی (تو اس سے تصویر کی تعظیم کا معنی باقی نہیں رہے گا) اور کتے کو باہر نکالنے کا حکم دیدیجیے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا ہی کیا۔ وہ کتا حضرت حسن یا حضرت حسین کا تھا جو ان کے پلنگ کے نیچے تھا پس اس کے بارے میں حکم دیا گیا تو اسے نکال دیا گیا۔ (ابوداؤد: 4158)

## ابوجہل کو عذاب قبر

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بدر کے قریب سے گزر رہا تھا میں نے اچانک دیکھا کہ ایک شخص زمین سے نکلا جس کی گردن میں ایک زنجیر ہے اور اس کے ایک سرے کو ایک کالے شخص نے تھام رکھا ہے، وہ نکلنے والا آدمی مجھ سے خطاب کر کے پانی مانگنے لگا مگر کالے شخص نے فوراً کہا کہ اسے پانی مت پلانا یہ کافر ہے پھر اسے کھینچ کر زمین میں داخل کر دیا، میں نے حضرت

اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر پورا قصہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا کہ کیا واقعی تم نے اسے دیکھا ہے یہ اللہ کا دشمن ابوجہل تھا قیامت تک اس کو یہی عذاب ہوتا رہے گا۔ (التذکرہ: ۱۵۴، شرح الصدور)

## ابوجہل نے پتھر مار کر زخمی کیا

ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوہِ صفا پر یا اس کے دامن میں بیٹھے تھے کہ ابوجہل اس طرف آ گیا، اس نے آپ کو دیکھ کر بہت سخت وسست اور گستاخانہ الفاظ کہے، آپؐ نے جب اس کی بیہودہ سرائی کا کوئی جواب نہ دیا تو اس نے ایک پتھر اٹھا کر مارا، جس سے آپؐ زخمی ہوئے اور خون بہنے لگا، آپؐ خاموش اپنے گھر چلے آئے، یہی واقعہ حضرت حمزہؓ کے اسلام کا باعث بنا۔

## ابوجہل کا برا ارادہ اور اللہ کی تنبیہ

اسی دور میں یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حرم میں نماز ادا کرتے ہوئے دیکھ کر ابوجہل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھا: تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن پر پیر رکھ دے، مگر اچانک لوگوں نے دیکھا کہ وہ پیچھے ہٹ رہا ہے اور اس پر خوف طاری ہے، پوچھا گیا: کیا ہوا؟ اس نے کہا کہ میرے اور محمد کے درمیان آگ کی ایک خندق اور ایک ہولناک چیز اور کچھ پر تھے، آپ نے فرمایا کہ اگر وہ میرے قریب آتا تو فرشتے اس کا کام تمام کر دیتے، قرآن میں اس واقعہ کا تذکرہ اس طرح آیا ہے:

أَرَأَيتَ الَّذِي يَنْهَىٰ، عَبْداً اِذَا صَلَّىٰ، أَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ عَلَى الْهُدَىٰ، اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوَىٰ، أَرَأَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ، أَلَمْ يَعْلَمْ بِأَنَّ اللهَ يَرَىٰ، كَلَّا لَئِنْ لَمْ يَنْتَهِ لَنَسْفَعاً بِالنَّاصِيَةِ، نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ، فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ، سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ۔ (العلق/۹-۱۸)

بھلا تم نے اس شخص کو بھی دیکھا جو ایک بندہ کو منع کرتا ہے، جب وہ نماز پڑھتا ہے؟ بھلا بتاؤ کہ اگر وہ نماز پڑھنے والا ہدایت پر ہو، یا تقویٰ کا حکم دیتا ہو، تو کیا اسے روکنا گمراہی نہیں؟ بھلا

بتاؤ کہ اگر وہ روکنے والا حق کو جھٹلاتا ہو، اور منہ موڑتا ہو، کیا اسے یہ معلوم نہیں کہ اللہ دیکھ رہا ہے؟ خبر دار: اگر وہ باز نہ آیا تو ہم اسے پیشانی کے بال پکڑ کے گھسیٹیں گے، اس پیشانی کے بال جو جھوٹی ہے، گنہگار ہے، اب وہ بلالے اپنی مجلس والوں کو: ہم دوزخ کے فرشتوں کو بلالیں گے۔

## ابوجہل کا اقرار

اس کی جامعیت کا مسلمان تو مسلمان کفار نے بھی اقرار کیا ہے، جب ابوجہل نے اس آیت کو سنا تھا تو کہنے لگا: ''اِنَّ اِلٰهَهٗ لَیَاْمُرُ بِمَکَارِمِ الْاَخْلَاقِ وَهِیَ اَجْمَعُ اٰیَةٍ فِی الْقُرْآنِ لِلْخَیْرِ وَالشَّرِ'' (تفسیر نسفی: ١٧٦/٢)

بے شک ان کا معبود مکارمِ اخلاق کا حکم دیتا ہے، اور یہ قرآن میں خیر اور شر کے لئے سب سے جامع آیت ہے۔

جب کفار اس کا اقرار کر رہے ہوں تو آپ اندازہ لگائیے کہ اس کی کتنی اہمیت ہے؟ اور کتنی اس میں جامعیت ہے؟ البتہ اس آیت کا کچھ مفہوم اور مضمون سیکھ لینا چاہیے، اور سمجھ لینا چاہئے، تب اس کا پیغام اور اس کا خلاصہ اور اس کی جامعیت کا صحیح بتانا اور صحیح سمجھانا آسان ہو جاتا ہے، جس کا ذہن جتنا زیادہ کھلا ہوا ہوتا ہے وہ اتنا ہی اس کو اچھے انداز میں پیش کر سکتا ہے، جس سے سننے والے پر بہت اچھا اثر پڑتا ہے۔

## قبیلۂ اکثم کے اسلام لانے کا واقعہ

حدیثوں میں ہے کہ بعض قبیلے والوں نے اسی آیت کو سن کر اسلام قبول کیا تھا، حضرت اکثم بن صیفی ایک صحابی ہیں، جو قبیلے کے سردار تھے، جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں انہیں اطلاع ملی تو انہوں نے ارادہ کیا کہ جا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کر آئیں، تاکہ پتہ چلے کہ کیسے آدمی ہیں؟ کیا

کہتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی وقت نبوت کا اعلان کیا تھا، ان کے قبیلے والوں نے کہا کہ آپ قبیلہ کے سردار ہیں آپ کے ساتھ کہیں بیہودگی نہ ہوجائے، اور پھر پورے قبیلے والوں کی عزت کا مسئلہ نہ ہوجائے، اور پتہ نہیں آپ کے ساتھ کیا برتاؤ ہو، اس لئے آپ نہ جائیں بلکہ اپنے نمائندے کے طور پر کسی کو بھیج دیں، چنانچہ انہوں نے دو انتہائی سمجھدار آدمیوں کا انتخاب کیا، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا، اور انہیں یہ نصیحت بھی کی کہ جا کر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دو سوال کریں، (۱)''مَنْ اَنْتَ''؟ آپ کون ہیں؟ (۲) اور دوسرا ''مَا اَنْتَ''؟ کہ آپ کہتے کیا ہیں؟ آپ کی دعوت کیا ہے؟ وہ دو نمائندے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے اور پوچھا ''مَنْ اَنْتَ'' تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں محمد بن عبداللہ ہوں، اس کے بعد انہوں نے پوچھا: ''مَا اَنْتَ''؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں اللہ کا بندہ ہوں اور اللہ کا رسول ہوں، اور اللہ کا نمائندہ ہوں، انہوں نے پوچھا کہ اللہ کی نمائندگی میں آپ کیا کہتے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سامنے یہ آیت پڑھی: ''إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيْتَاءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ'' (النحل:۹۰)

وہ لوگ یہ سن کر واپس چلے گئے اور انہوں نے جا کر کہا کہ جب ہم نے ''مَنْ اَنْتَ'' کہا تو انہوں نے صرف اپنا نام بتایا، دراصل عربوں میں یہ عادت تھی کہ اپنے تعارف میں اپنا اور اپنے باپ دادا اور سارے خاندان کا تعارف کرواتے اور ان کے کارنامے سناتے، تاکہ اپنی امیج (Image) بنے، اور اپنی عزت ہو، اور سننے والا یہ سمجھے کہ میں کوئی چھوٹا موٹا آدمی نہیں ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظاہر بات ہے کہ ہر اعتبار سے بڑے ہیں، لیکن آپ نے اس کو چھیڑا ہی نہیں، صرف کہا کہ محمد ا بن عبداللہ ہوں، انہوں نے کہا کہ یہ بات ہمارے لئے بہت ہی سر پرائز (Surprise) کرنے والی تھی کہ ایک آدمی سے ہم پوچھ رہے ہیں: ''مَنْ اَنْتَ''؟ اور وہ

صرف اپنا اور اپنے والد کا نام کہہ رہا ہے، پھر ہم نے تحقیق کی تو پتہ چلا کہ یہ قوم کے اعتبار سے، نسب کے اعتبار سے اور شرافت و بلندی کے اعتبار سے سب سے بڑے خاندان کے آدمی ہیں، دوسری بات جب ہم نے ان سے پوچھی: ''مَا اَنْتَ'' تو انہوں نے دو باتیں کہیں: ایک یہ کہ میں اللہ کا بندہ اور رسول ہوں اور دوسری یہ آیت پڑھ کر سنائی۔ اس میں بھی ایک قصہ یہ ہوا کہ جب حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت سنائی تو انہوں نے کہا کہ ہم اس بات کو اپنی قوم میں نقل کرنے والے ہیں، اس لئے ہمیں بار بار سنا دیجئے تا کہ ذہن نشین ہو جائے، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سامنے یہ آیت اتنی مرتبہ دھرائی کہ ان کو یاد ہو گئی، انہوں نے جا کر اپنے سردار کو یہ آیت سنا دی، جب حضرت اکثم نے یہ سنا تو کہا کہ وہ تو مکارم اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں، اور بری چیزوں سے روکتے ہیں۔ ''فَكُونُوا فِي هٰذَا الْاَمْرِ رُءُوسًا، وَلَا تَكُونُوا فِيهِ اَذْنَابًا۔

لہذا اے میری قوم کے لوگو! تم پہل کرو تا کہ تم لوگ بعد میں شامل ہونے والوں میں نہ ہو، تم پہلوں میں ہو جاؤ، تا کہ تمہارا مرتبہ بڑا ہو جائے۔ (تفسیر ابن کثیر: ۵۹۶/۴)

اس وقت حضرت اکثم اور ان کے پورے قبیلے والوں نے ایک ساتھ اسلام قبول کیا، پہلے قبیلوں میں یہی ہوتا تھا کہ جو سردار کہہ دیتا سب اسی کو مان لیتے، جب انہوں نے کہا کہ یہ مذھب صحیح ہے، اس کو قبول کرلو تو سب نے قبول کرلیا، غرض اس ایک آیت کو سن کر سارے قبیلے والوں نے اسلام قبول کرلیا، اس سے آپ اندازہ لگائیے کہ اس میں کتنی جامعیت ہے؟

## حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ پر آیتِ مبارکہ کا اثر:

اسی طرح مفسرین نے اس آیت کے ذیل میں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کا قصہ بھی نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ شروع میں اگرچہ مسلمان ہو گیا تھا، اور وہ بھی بار بار میرے ساتھیوں کے ذکر کرنے کی وجہ سے، لیکن میرے دل میں اسلام راسخ نہیں ہوا تھا، حتی

کہ ایک دن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا تو اچانک آپ پر وحی کے نازل ہونے کے آثار ظاہر ہوئے، اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا قاصد میرے پاس آیا اور یہ آیت مجھ کو سنائی، حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کو دیکھ کر اور آیت سن کر میرے دل میں ایمان مضبوط اور مستحکم ہوا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میرے دل میں گھر کر گئی۔

## ابوطالب کا حق کی دعوت دینا

میں ابوطالب کے پاس آیا، اور اس واقعہ کی خبر دی تو ابوطالب کہنے لگے:

يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ اِتَّبِعُوْا ابْنَ اَخِيْ تَرْشُدُوْا وَلَئِنْ كَان صَادِقاً اَوْ كَاذِباً فَاِنَّهُ مَا يَاْمُرُكُمْ اِلَّا بِمَكَارِمِ الْاَخْلَاقِ''۔

اے قریش کے لوگو! میرے بھتیجے کی بات مان لو تو تم راہ یاب ہو جاؤ گے، وہ سچا ہو یا جھوٹا لیکن تم کو مکارم اخلاق کی تعلیم دیتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ سنا تو ابوطالب سے کہا:

يَا عَمَّاهُ اَتَاْمُرُ النَّاسَ اَنْ يَّتَّبِعُوْنِيْ وَتَدَعُ نَفْسَكَ وَجَهِدَ عَلَيْهِ''۔

اے چچا جان! کیا آپ دوسروں کو میری تو اتباع کا حکم دے رہے لیکن آپ خود اپنے آپ کو چھوڑ رہے ہیں، اس کے باجود بھی وہ اسلام قبول نہیں کئے۔ (تفسیرِ رازی: ۹/ ۴۵۱)

## دو انصاری بچوں کا ابوجہل کو قتل کرنا

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ مشہور اور بڑے صحابہ میں ہیں، فرماتے ہیں کہ: مَیں بدر کی لڑائی میں میدان میں لڑنے والوں کی صف میں کھڑا تھا، مَیں نے دیکھا کہ میرے دائیں اور بائیں جانب انصار کے دو کم عُمر لڑکے ہیں، مجھے خیال ہوا کہ مَیں اگر قوی اور مضبوط لوگوں کے درمیان ہوتا تو اچھا تھا، کہ ضرورت کے وقت ایک دوسرے کی مدد کر سکتے، میرے دونوں جانب بچے ہیں یہ کیا مدد کر سکیں گے! اِتنے میں اِن دونوں لڑکوں میں سے ایک نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا:

چچا جان! تم ابوجہل کو بھی پہچانتے ہو؟ مَیں نے کہا: ہاں! پہچانتا ہوں، تمھاری کیا غرض ہے؟ اُس نے کہا: مجھے یہ معلوم ہوا کہ وہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گالیاں بکتا ہے، اُس پاک ذات کی قَسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر مَیں اُس کو دیکھ لوں تو اُس وقت تک اُس سے جدا نہ ہوں گا کہ وہ مرجائے یا مَیں مرجاؤں، مجھے اُس کے اِس سوال اور جواب پر تعجب ہوا، اِتنے میں دوسرے نے یہی سوال کیا، اور جو پہلے نے کہا تھا وہی اِس نے بھی کہا، اِتّفاقاً میدان میں ابوجہل دوڑتا ہوا مجھے نظر پڑ گیا، مَیں نے اُن دونوں سے کہا کہ: تمھارا مَطلُوب جس کے بارے میں تم مجھ سے سوال کررہے تھے، وہ جارہا ہے، دونوں یہ سُن کر تلواریں ہاتھ میں لیے ہوئے ایک دَم بھاگے چلے گئے، اور جاکر اُس پر تلوار چلانی شروع کردی، یہاں تک کہ اُس کو گِرادیا۔ (بخاری، ۲/۵٦۸)

فائدہ: یہ دونوں صاحبزادے مُعاذ بن عَمرو بن جَموح اور مُعاذ بن عَفراء ہیں، مُعاذ بن عَمرو کہتے ہیں کہ: مَیں لوگوں سے سنتا تھا کہ ابوجہل کو کوئی نہیں مار سکتا، وہ بڑی حفاظت میں رہتا ہے، مجھے اُسی وقت سے خَیال تھا کہ مَیں اُس کو ماروں گا۔ یہ دونوں صاحبزادے پیدل تھے اور ابوجہل گھوڑے پر سوار تھا، صفوں کو درست کررہا تھا، جس وقت عبدالرحمن بن عوف نے دیکھا اور یہ دونوں دوڑے، تو گھوڑے سوار پر براہِ راست حملہ مشکل تھا؛ اِس لیے ایک نے گھوڑے پر حملہ کیا اور دوسرے نے ابوجہل کی ٹانگ پر حملہ کیا، جس سے گھوڑا بھی گِرا اور ابوجہل بھی گرا، اور اُٹھ نہ سکا، یہ دونوں حضرات اُس کو ایسا کرکے چھوڑ آئے تھے کہ اُٹھ نہ سکے، وہیں پڑا تڑپتا رہے؛ مگر مُعوِّذ بن عَفراءؓ اُن کے بھائی نے اَور ذرا ٹھنڈا کردیا کہ مَبادا اُٹھ کر چلا جائے؛ لیکن بالکل اِنھوں نے بھی نہ نمٹایا، اِس کے بعد عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بالکل ہی سر جُدا کردیا۔

مُعاذ بن عَمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: جس وقت مَیں نے اُس کی ٹانگ پر حملہ کیا تو اُس کا لڑکا عِکرمہ ساتھ تھا، اُس نے میرے مونڈھے پر حملہ کیا جس سے میرا ہاتھ کٹ گیا، اور صرف کھال میں لٹکا ہوا رہ گیا۔ (اُسدُ الغابۃ، ۴/۳۷۹)

مَیں نے اُس لٹکے ہوئے ہاتھ کو کمر کے پیچھے ڈال دیا، اور دن بھر دوسرے ہاتھ سے لڑتا رہا؛ لیکن جب اُس کے لٹکے رہنے سے دِقّت ہوئی تو مَیں نے اُس کو پاؤں کے نیچے دبا کر زور سے کھینچا، وہ کھال بھی ٹوٹ گئی جس سے وہ اَٹک رہا تھا اور مَیں نے اُس کو پھینک دیا۔ (تاریخ خمیس)

## ابوجہل اور اس کے ساتھیوں کا انجام

صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبہ شریف کے پاس نماز پڑھ رہے تھے ابوجہل اور اس کے چند ساتھی وہاں بیٹھے تھے انہوں نے آپس میں گفتگو کی کہ کوئی تم میں سے ایسا ہے جو فلاں جگہ سے اونٹ کی اوجھڑی لا کر سجدہ کی حالت میں محمد کی پیٹھ پر رکھ دے یہ سن کر بد بخت عقبہ ابن ابی معیط اٹھا اور اونٹ کی اوجھڑی لا کر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیٹھ پر سجدہ کی حالت میں رکھ دی اور آپس میں ہنسنے لگے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدہ میں پڑے رہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی حضرت فاطمہ نے دیکھا تو یہ گندگی آپ کے کاندھوں سے اتار پھینکی، آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سجدہ سے سر اٹھایا، تمام قریش پر بالعموم اور خاص کر ابوجہل، عتبہ بن ربیعہ، ابی بن خلف، عقبہ بن معیط اور عمارہ بن ولید کے لیے بددعا فرمائی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بددعا کارگر ہوئی اور یہ سب ہلاک ہو کر رہے اور اکثر ان میں سے بدر میں مارے گئے اور قتل ہوئے۔

ابونعیم اور طبرانی نے حکم بن ابی العاص سے روایت کی ہے کہ ہم چند کافروں نے آپس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کا عہد کیا ترکیب یہ سوچی کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو نکلیں تو بیک وقت حملہ کر دیں چنانچہ ہم ایک دن آپ کے انتظار میں تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سامنے سے گزرے ہمارے قریب پہنچے تو ہم نے ایک بڑی زور کی چیخ سنی ہمیں اندیشہ ہو گیا کہ اس چیخ سے مکہ میں کوئی آدمی زندہ نہ بچا ہو گا اور ہم بھی بے ہوش کر گر پڑے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد حرام گئے اور نماز پڑھ کر اپنے گھر

واپس آ گئے تب تک ہم بے ہوش ہی رہے دوسری رات کو بھی ہم نے یہی ارادہ کیا چنانچہ اس رات بھی جب آپ گھر سے نکلے ہمارے قریب پہنچے تو ہم نے دیکھا کہ صفا ومروہ کی پہاڑیاں ہمارے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان آڑے آ گئی ہیں اور ہم ان دونوں پہاڑوں کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک نہیں پہنچ سکے، اللہ تعالی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعجاز سے کافروں کے شر سے محفوظ رکھا۔

## ابولہب کی بیوی

بیہقی نے اسماء بنت ابی بکر سے روایت کی ہے کہ ابولہب کی بیوی حمالۃ الحطب کو جب سورۂ تبت یدا ابی لہب کا مضمون معلوم ہوا تو ایک پتھر لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مارنے کی غرض سے آئی آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے جب ابولہب کی بیوی قریب پہنچی تو اس کو سوائے ابوبکر کے اور کوئی نظر نہ آیا صرف ابوبکر اس کو نظر آئے؛ حالانکہ وہیں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تشریف رکھتے تھے مگر خدا نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اس کو اندھا کر دیا، ابوبکر سے کہنے لگی تمہارے ساتھی کہاں ہیں میں نے سنا ہے کہ وہ میری برائی بیان کرتے ہیں خدا کی قسم اگر میں ان پائی تو ان کے منہ پر پتھر مارتی یہ کہہ کر نا کام واپس چلی گئی۔

## انسان اور شیطان کا مقابلہ

فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ کہ ابو محمد رحمہ اللہ نے فرمایا (ابو محمد رحمہ اللہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے) کہ ابلیس نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا یا اللہ تو نے انسان کے واسطے اپنی عبادت کے مخصوص گھر بنائے میرے لیے اس طرح کا کوئی گھر نہیں؟ فرمایا تیرا گھر حمام ہے ابلیس نے کہا انسانوں کی مجلس میں میرے لیے کون سی جگہ ہے؟ فرمایا بازار ابلیس نے کہا ان کے پڑھنے کیلئے قرآن دیا (یا کوئی آسمانی کتاب) میرے لیے کیا ہے؟ فرمایا شعر! ابلیس نے کہا انسانوں کا مشغلہ آپس میں باتیں کر

نا ہے۔ میرا مشغلہ کیا ہے۔فرمایا، جھوٹ ،ابلیس نے کہا انسانوں کواذان دی (جس سے وہ نماز کیلئے جمع ہوجاتے ہے۔ میری اذان کیا ہے۔فرمایا، گانا بجانا ،ابلیس نے کہا، انسانوں کیلئے رسول بھیجے میرے لیے کیا بھیجا ہے فرمایا: تیرے لیے نجومی اور کاہن ہے۔ ابلیس نے کہا انسانوں کو کتاب دی ، میرے لئے کون سی کتاب ہے؟ فرمایا: تیرے لیے وشم ہے(ہاتھوں کے نشانات) ابلیس نے کہا، انسانوں کیلئے شکارگاہیں بنائیں میری شکارگاہ کون سی ہے؟ فرمایا عورتیں تیری شکارگاہ ہیں۔ابلیس نے کہا انسانوں کے لئے کھانے کی بہت سی چیزیں بنائیں میرے لئے کھانے کوکیا ہے؟ فرمایا: وہ کھانا جس پر بسم اللہ نہ پڑھی جائے۔(تنبیہ الغافلین ص:۲۷۷)

## نفس سے مقابلہ جہاد اکبر ہے

ایک بزرگ تنہا رہتے تھے اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے تھے ایک مرتبہ قلب میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ چلو جہاد کرو اور اس شدت سے کے ساتھ یہ خیال آتا رہا کہ اس کی وجہ سے تنگ آ گئے بالآخر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ دل میں یہ خیال کیوں بار بار آرہا ہے بتلا دیجئے جواب ملا کہ تم مجاہدہ کررہے ہو جو کہ چوبیس گھنٹے کا عمل ہے اس کی وجہ سے تمہارا نفس تنگ آ گیا ہے چاہتا ہے کہ کافروں سے مقابلہ کرے تا کہ دو منٹ میں ختم ہوجائے اور مسلسل مجاہدہ کی تکلیف سے بچ جائے کہا اچھا یہ بات ہے تو پھر میں نہیں جاؤں گا اللہ تعالیٰ کو راضی کروں گا۔ کفار سے مقابلہ کرنا جہاد اصغر ہے اور نفس سے مقابلہ کرنا جہاد اکبر ہے۔

## حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کا واقعہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد ایک جگہ افسوس میں بیٹھے تھے، پھر کہا چلو اماں کے پاس چلتے ہیں، ام ایمن حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں رہی ہیں اور برکتیں حاصل کی ہوئی

ہیں اور ایسی بابرکت خاتون کہ جب انہوں نے ہجرت کی مکہ سے مدینہ اکیلئے راستے میں پیاس کی شدت سے تڑپ گئیں، نام بھی ان کا بابرکت اور ہیں بھی برکت والی، تو اللہ تعالی نے ڈول آسمان سے بھیجا، لٹک کر نیچے آیا اس میں سے پانی پیا، پوری زندگی پھر انہیں پیاس ہی نہیں لگی، ایسی بابرکت خاتون ہیں، تو دونوں گئے ان کی خدمت میں، وہ رونے لگیں، ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اماں کیوں روتی ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو بہت اونچے مقام پر ہیں، دنیا سے رخصت ہو گئے جنت کے اعلی درجہ میں ہیں۔ فرمایا: اس لئے نہیں رو رہی ہوں۔ پھر کیوں رو رہی ہو؟ میں اس لئے رو رہی ہوں کہ وحی کا سلسلہ بند ہو گیا، وہ وحی کی قیمت جانتی تھیں کہ وحی کیا چیز ہے؟ اس وجہ سے وہ حضرت ام ایمن کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔

## واقعۂ اسلام

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ انصار صحابۂ کرام میں سب سے آخر میں غزوۂ بدر کے دن مشرف بہ اسلام ہوئے ہیں۔ غزوۂ بدر کے دن اسلام قبول کرنے کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں بدری صحابۂ کرام میں شمار کیا ہے۔ بیت المال سے ہر ماہ ۴۰۰ ردرہم وظیفہ دیا کرتے تھے۔

ان کے اسلام لانے کا واقعہ اس طرح منقول ہے کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں بتوں کی عبادت کیا کرتے تھے، ایک دن حضرت عبداللہ بن رواحہ ومحمد بن مسلمۃ رضی اللہ عنہما ان کے گھر میں گھس آئے اور ان کے بتوں کو توڑ ڈالا۔ حضرت ابودرداء اٹھے اور بتوں کے ٹوٹے ہوئے پتھروں کو اکٹھا کرنے لگے اور یہ کہنے لگے، اے بت! تیری ہلاکت و بربادی ہو! تیرے اندر اتنی بھی طاقت نہیں کہ تو اپنی جانب سے دفاع کر سکے اور اپنے توڑنے والوں کو ہلاکت کے گھاٹ اتار سکے۔ ان کی بیوی ام الدرداء ان کی نقل وحرکت کو دیکھ رہی تھی اور ان کی باتیں سن

رہی تھی تو کہنے لگی اگر یہ بت نفع وضرر کے مالک ہوتے تو ضرور اپنی جانب سے دفاع کرتے اور ان کے توڑنے والے ضرور تباہ و برباد ہو جاتے۔

حضرت ابودرداء پر ان باتوں کا گہرا اثر ہوا، انہوں نے اپنی بیوی ام الدرداء کو مخاطب کر کے کہا! میرے غسل کرنے کے لیے غسل خانہ میں جلدی پانی رکھو۔ یہ اٹھے اور غسل کیا، کپڑے تبدیل کئے اور سیدھے بارگاہِ رسالت میں حاضری دینے کے لیے روانہ ہو گئے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ نے انہیں جب آتا ہوا دیکھا تو کہا! اے اللہ کے رسول! ابودرداء ہماری ہی تلاش میں آرہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہیں، بلکہ وہ اسلام قبول کرنے کے لیے آرہا ہے، میرے رب نے ابودرداء کے اسلام لانے کے سلسلے میں مجھ سے وعدہ کیا ہے، ایسا ہی ہوا، وہ دربارِ نبوی میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے۔ (المستدرک: ۳/۳۳۶-۳۳۷)

## شادی کی پہلی رات اور واقعۂ شہادت

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کی رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول کی بیٹی ''جمیلہ'' سے شادی ہوئی، ان کی رخصتی اس رات ہوئی جس کی صبح مسلمانوں کو غزوۂ احد کے لیے نکلنا تھا۔ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی نئی نویلی دلہن کے پاس پہلی رات گذارنے کی اجازت چاہی، بارگاہِ رسالت سے اجازت مل گئی، صبح کی نماز پڑھنے کے بعد دربارِ رسالت میں حاضر ہونے کا ارادہ کر رہے تھے کہ نئی نویلی دلہن نے روک لیا، وظیفۂ زوجیت ادا کرنے کی وجہ سے جنبی ہو گئے اور غسل کی ضرورت پیش آ گئی۔

اسی وقت آپ کی اہلیہ محترمہ اٹھیں اور اپنی قوم کے چار آدمیوں کو بلوا بھیجا، وہ آ گئے تو بولیں! تم لوگ گواہ رہو کہ حنظلہ نے میرے ساتھ صحبت کی ہے۔ ان سے اس سلسلہ میں گواہ بنانے کی وجہ

دریافت کی گئی، تو کہنے لگیں! آج مجھے ایسا محسوس ہوا کہ آسمان پھٹا اور اس میں حنظلہ داخل ہو گئے، پھر آسمان پہلے کی طرح برابر ہو گیا۔ میں سمجھ گئی کہ اس جنگ میں حنظلہ جامِ شہادت نوش کر لیں گے۔

تم لوگوں کو اس صحبت پر گواہ اس وجہ سے بنائی ہے کہ اس سے بچہ "عبداللہ بن حنظلہ" کا علوق ہو چکا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس ہونے والے بچہ کو ناجائز نطفہ سمجھ بیٹھو۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ جلدی سے ہتھیار سے لیس ہو کر اسی حالت میں تیزی کے ساتھ میدانِ جنگ کی طرف بڑھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جنگ کی صف بندی فرما رہے ہیں، جب گھمسان کی جنگ شروع ہوئی تو آپ کا ابوسفیان سے سامنا ہو گیا، آپ نے اس کے گھوڑے کی پچھلی ٹانگ کے گھٹنے پر زوردار وار کیا جس سے ابوسفیان نیچے آ گرا اور چیخنے چلانے لگا، اے قریش کی جماعت! میں ابوسفیان ہوں! میری مدد کو دوڑو، دیکھو! حنظلہ بن ابی عامر مجھے قتل کر دے گا۔ ہر ایک کو اپنی فکر تھی، کسی نے بھی اس کی آواز پر کان نہ دھرا، البتہ اسود بن شعوب یا شداد بن اسود اس کی مدد کے لیے دوڑا اور پیچھے سے آپ پر نیزہ سے وار کیا، اسی وقت شہید ہو گئے۔ (الاستیعاب: ۱/ ۴۲۳۔)

آپ سید الشہداء حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے درمیان شہید پڑے تھے کہ آپ کے باپ ابو عامر فاسق کا گذر آپ کی نعشِ مبارک کے پاس سے ہوا تو دیکھ کر کھڑا ہو گیا اور یہ کہنے لگا! میں اس جنگ سے پہلے ہمیشہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کے دین سے ڈراتا رہا اور اس کا ساتھ چھوڑنے کو کہتا رہا مگر تم نہ مانے۔ خدا کی قسم! اگر تم اپنے باپ کی بات مان لیتے تو کتنی اچھی باعزت زندگی گذارتے اور تمہاری موت اپنے خاندان کے مشرف و معزز لوگوں میں ہوتی۔ وإن جزی اللہ ہذا القتیل أي حمزۃ خیراً أو احداً من أصحاب محمد فجزاک اللہ خیراً" اگر اللہ تعالیٰ اس مقتول حمزہ یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کسی مقتول ساتھی کو

اچھا بدلہ دے گا تو تمہیں بھی اچھا بدلہ دے گا۔ پھر ابو عامر فاسق نے قریش کی جانب متوجہ ہو کر کہا، اے قریش کی جماعت! تم میں سے کوئی بھی میرے بیٹے حنظلہ کا مثلہ (ناک، کان وغیرہ کاٹ کر جسم کو بگاڑ دینا) نہ کرے۔ راوی کا بیان ہے کہ احد کے تمام شہداء کا کافروں نے مثلہ کیا مگر حضرت حنظلہ کو چھوڑ دیا۔ (حلیۃ الأولیاء:۱/ ۱۴۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام سے فرمایا: تمہارے ساتھی حنظلہ کو فرشتے آسمان اور زمین کے درمیان چاندی کی طشت میں رکھ کر بادل کے پانی سے غسل دے رہے ہیں۔

حضرت ابو اسید ساعدی فرماتے ہیں! ہم لوگ ان کی نعشِ مبارک کے پاس گئے تو دیکھا کہ واقعی ان کے سر سے پانی ٹپک رہا ہے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان کے گھر تحقیق کرو کہ یہ خاص معاملہ ان کے ساتھ کیوں ہوا؟ ان کی بیوی محترمہ نے جواب دیا کہ جس وقت جہاد کا اعلان ہوا، وہ جنبی اور ناپاکی کی حالت میں تھے اور اسی حالت میں میدانِ جہاد کے لیے نکل پڑے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر ارشاد فرمایا: ہاں! اسی وجہ سے فرشتوں کی جماعت انہیں غسل دے رہی ہے۔ (صحیح بخاري: ۲/ ۹۵۲، حدیث نمبر: ۱۶۴۳)

## واقعۂ قبولیتِ توبہ

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی قبولیتِ توبہ کا واقعہ مشہور ہے! یہودی قبیلہ بنو قریظہ نے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کی درخواست کرتے ہوئے یہ کہا کہ ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے جو بنو نضیر کے ساتھ ہوا ہے۔ تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: نہیں، میں تم کو اتنا حق دیتا ہوں کہ سعد بن معاذ کو حکم وفیصل بنالو۔ جو فیصلہ وہ تمہارے تئیں کریں وہ منظور ہونا چاہیے۔ انہوں نے ابولبابہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر اپنے یہاں بلایا اور

دریافت کیا کہ اس معاملہ میں تمہاری کیا رائے ہے؟ ہم سعد بن معاذ کو اپنا فیصل مان لیں؟ حضرت ابولبابہ کے اموال اور اہل وعیال بنوقریظہ کے یہاں تھے؛ اس لیے وہ ان کی خیر خواہی کرتے تھے، انہوں نے اپنی گردن کی طرف اشارہ کیا، یعنی اگر سعد بن معاذ کی تحکیم قبول کی تو ذبح ہوجاگے۔

حضرت ابولبابہ اشارہ تو کر گذرے مگر معاً تنبہ ہوا کہ میں نے اللہ ورسول کی خیانت کی ہے، واپس آکر اپنے آپ کو ایک ستون سے باندھ دیا اور عہد کیا کہ نہ کچھ کھاؤں گا، نہ پیوں گا حتی کہ موت آجائے، یا اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول فرمالے، سات دن یونہی بھوکے اور پیاسے بندھے رہے ، فاقہ سے غشی طاری ہوگئی۔ آخر بشارت پہونچی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کی، یہ سن کر بولے : خدائے ذوالجلال کی قسم! میں اپنے کو نہ کھولوں گا، جب تک خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دستِ مبارک سے میری رسی نہ کھولیں۔

آپ تشریف لائے اور اپنے دستِ مباک سے اپنے قیدی کو آزاد کردیا۔ یہ دیکھ کر حضرت ابولبابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں اس قبولیتِ توبہ کی خوشی میں اپنا سارا مال اللہ تعالیٰ کے راستہ میں صدقہ کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یجزیک یا أبا لبابۃ الثلث'' اے ابولبابہ: ایک تہائی مال تمہارے لیے کافی ہے۔ (الاستیعاب: ۱/ ۵۲۳، سیر أعلام النبلاء: ۱/ ۲۹۸)

علامہ ابن عبدالبر نے اس واقعہ کو ضعیف وکمزور قرار دیتے ہوئے کہا کہ صحیح اور بہتر بات یہ ہے کہ غزوۂ تبوک میں محض کسل اور تن آسانی کی وجہ سے حاضر نہ ہوسکے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی پر غایت ندامت سے اپنے آپ کو ستون سے باندھ دیا اور بقیہ ساری تفصیل وہی ہے۔ (صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۴۴۷-۴۴۸۔)

## حضرت سلمان کی شادی کا واقعہ

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے قبیلۂ ''کندہ'' کی ایک عورت سے شادی کی، جب پہلی

رات اپنی بیوی کے پاس تشریف لے جانے لگے، تو آپ کے دوست واحباب بھی آپ کے ساتھ ہوگئے۔ گھر تک پہونچے تو فرمایا: اللہ تعالیٰ جزاءِ خیر دے! تم واپس چلے جاؤ۔ عام طور سے بیوقوف حضرات اپنی بیویوں کے پاس لوگوں کو پہلی رات لے جانے میں کچھ تامل نہیں کرتے، آپ نے ایسا ہرگز نہیں کیا۔ دلہن کے گھر کو پردے وغیرہ سے خوب سجایا اور آراستہ کیا گیا تھا، آپ نے اس گھر کو دیکھتے ہی فرمایا: کیا گھر شدید بخار میں مبتلا ہے؟ یا خانۂ کعبہ مکہ مکرمہ سے اٹھ کر ''کندہ'' میں آ گیا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا ایسا کچھ نہیں ہے۔ پھر لوگوں نے دروازہ کے پردہ کے علاوہ سارے بیل بوٹے سے مزین کیے گئے پردوں کو اکھاڑ پھینکا، آپ اندر تشریف لے گئے تو گھر کو سازوسامان سے بھرا ہوا پایا۔ یہ دیکھ کر دریافت کیا: یہ سازوسامان کس کا ہے؟ بتایا گیا: آپ اور آپ کی اہلیۂ محترمہ کا۔

آپ نے فرمایا: میرے خلیل صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم نہیں دیا ہے، البتہ میرے خلیل، دوست صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ دنیا میں میرے سازوسامان مسافروں کے توشے کے مانند رہیں، پھر آپ کی نظر خادموں پر پڑی، پوچھا یہ خدام یہاں کیوں؟ بتایا گیا: یہ خدام آپ کے اور آپ کی اہلیۂ محترمہ کے ہیں۔ آپ نے فرمایا: میرے خلیل صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس کا حکم نہیں دیا ہے، بلکہ مجھے سسرال سے صرف بیوی ہی کے لانے اور اس کے رکھنے کا حکم دیا ہے۔

پھر بیوی کے پاس بیٹھی عورتوں سے مخاطب ہوکر فرمایا: تم لوگ چلی جاؤ! اس کمرہ میں ہم دونوں ہی کو صرف رہنے دو، وہ چلی گئیں، آپ نے دروازہ کا پردہ لٹکا لیا، اور دروازہ بند کر کے اپنی اہلیۂ محترمہ کے پاس تشریف لائے اور اس کی پیشانی پکڑ کر برکت کی دعا کی اور فرمایا: ہر معاملہ میں میری اطاعت وفرماں برداری کروگی؟ اس نے جواب دیا: میں بیوی بن کر آپ کی اطاعت فرماں برداری ہی کرنے آئی ہوں۔ سراپا آپ کی مطیع وفرماں بردار ہوں۔

پھر آپ نے فرمایا: میرے خلیل صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا ہے: ''**إذا دخل أحدنا علی اهله أن یقوم فیصلی**'' کہ کوئی اپنی نئی نویلی دولہن کے پاس جائے تو پہلے نماز پڑھ لے یہ حکم دینے کے بعد آپ دونوں نے باجماعت دو رکعت نماز پڑھی اور دعاء کی، پھر آپس میں میاں بیوی کے وظیفہ کو مکمل کیا، جب صبح ہوئی تو لوگ آپ کے پاس آئے اور دریافت کرنے لگے کہ آپ کو کیسی بیوی ملی؟ آپ نے جواب دینے سے خاموشی اختیار کی۔ تیسری مرتبہ سوال کیے جانے پر جواب میں فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو پردہ کرنے اور وظیفۂ زوجیت کو پردہ میں ادا کرنے کا حکم دیا ہے، تاکہ لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رہے تو ایسی چیز کے بارے میں سوال کرنا اور اس کے بارے میں جواب دینا کیسے روا ہوسکتا ہے، جو چیز ظاہر ہو، لوگوں کی نگاہوں کے سامنے رہنے والی چیز ہو تو اسی کے بارے میں سوال و جواب ہونا چاہیے اور جو چیز پوشیدہ رہنے والی ہو تو ہرگز اس کے بارے میں کچھ نہیں پوچھنا چاہیے۔ پھر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: ''المتحدث عن ذلک کالحمارین یتسافدان عن الطریق'' اس سلسلہ میں گفتگو کرنے والا ایسے گدھے اور گدھی کے مانند ہے کہ جو راستہ میں آپس میں جفتی کیا کرتے ہیں۔

(سورۃ النور آیت: ۶۱، الحلیۃ: ۱/۲۰۱، المعجم الکبیر (۶۰۵۸) مجمع الزوائد: ۸/۴۱، وقال الہیثمی فیہ: رجالہ رجال الصحیح غیر یحیی بن ابراہیم المسعودی وھوثقۃ۔)

## انمول واقعہ

ایک مرتبہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اپنے بھائی سلمان کی جانب سے ''بنولیث'' کی ایک عورت کو پیغام نکاح دینے کے لیے گئے اور ان کی منقبت و فضیلت خوب بیان کی اور اس نوخیز لڑکی کے گھر والوں پر اس رشتہ کے قبول کرنے پر خوب زور دیا۔ لڑکی والوں نے جواب دیا: ہم سلمان سے اپنی لڑکی کی شادی نہیں کرتے؛ البتہ آپ سے شادی کرنے پر رضامند ہیں، اسی وقت حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے شادی کردی، یہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے شرماتے ہوئے

ملے اور فرمایا: اے میرے بھائی! ایسا واقعہ پیش آ گیا ہے کہ جسے بیان کرنے میں مجھے شرم وحیا محسوس ہوتی ہے۔آپ نے فرمایا: کیا بات ہے آپ ضرور بتایئے؟ انہوں نے سارا واقعہ کہہ سنایا: آپ نے ان کی شادی ہوجانے کے بارے میں سن کر فرمایا: مجھے آپ سے شرم وحیا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس رشتہ کو آپ کے مقدر میں لکھ رکھا تھا، میں نے پیغامِ نکاح دے کر رخنہ اندازی کرنے کی کوشش کی۔ (سیر أعلام النبلاء:۱/ ۵۵۵-۵۵۶)

حضرت اشعث بن قیس اور جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہما ''مدائن'' حضرت سلمان کی لکڑی کی جھونپڑی میں تشریف لائے، سلام کیا اور دریافت کیا: ''سلمان فارسی آپ ہی ہیں''؟

حضرت سلمان: ہاں!

حضرت جریر واشعث: آپ صحابیٔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں؟

حضرت سلمان: میں نہیں جانتا ہوں۔

یہ دونوں شک میں پڑ گئے اور آپس میں چہ میگوئی کرنے لگے کہ یہ کوئی اور ہیں۔

حضرت سلمان اتنے ہی میں بول پڑے، تمہارا مطلوب ومقصود میں ہی ہوں، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مبارک سے بہرور ہوں ''إنما صاحبہ من دخل معہ الجنۃ'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقت میں ساتھی وہی ہے جو آپ کے ساتھ جنت میں جائے۔تم دونوں ضرورت بتاؤ؟

حضرت جریر واشعث: ہم ''شام'' سے آپ کے بھائی ابوالدرداء کی جانب سے آئے ہیں۔

حضرت سلمان: انہوں نے مجھے ہدیہ میں کیا بھیجا ہے؟

حضرت جریر واشعث: انھوں نے ہدیہ میں کچھ بھی نہیں بھیجا ہے۔

حضرت سلمان: تم اللہ سے ڈرو اور امانت ادا کرو، آج تک انہوں نے میرے پاس کسی کو ہدیہ کے بغیر نہیں بھیجا ہے۔

حضرت جریر واشعث: آپ ہماری جانب سے اعتماد برقرار رکھیے، یقیناً انہوں نے آپ کے نام بہت سامال بھیجا ہے وہ سارا آپ کو دے دیا جائے گا۔

حضرت سلمان: میری مراد مال نہیں ہے اور نہ مجھے مال کی ضرورت ہے، بلکہ مجھے ان کا بھیجا ہوا ہدیہ چاہیے۔

حضرت جریر واشعث: خداءِ ذوالجلال کی قسم! اس کے علاوہ مجھے کچھ نہیں دیا ہے، البتہ ایک بات یہ کہی ہے کہ تم میں وہ (سلمان) ایک ایسی ہستی ہے کہ اس کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سے خلوت وتنہائی میں ملنا پسند نہیں فرماتے تھے، لہٰذا جب تم اس ہستی کے پاس پہونچنا تو میری جانب سے ضرور سلام عرض کرنا۔

حضرت سلمان: اور کون سا ہدیہ میں تم سے مانگ رہا تھا!! یہی تو وہ ہدیہ ہے، ہدیۂ سلام سے بڑھ کر اور افضل کون سا ہدیہ ہے، تحفۂ سلام ''تحیۃ من عند اللّٰہ مبارکۃ طیبۃ'' (دعاء کے طور پر ہے اور جو خداءِ ذوالجلال کی جانب سے مقرر ہے اور برکت والی عمدہ چیز ہے۔ (الاصابۃ: ۲/ ۱۳۸۔)

## حضرت ام سلمہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کرنے کا واقعہ

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی شادی کا خود ہی واقعہ بیان کرتی ہیں! جب میری عدت پوری ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نکاح کی خواہش ظاہر فرمائی، مگر میں نے عذر کردیا۔ اس کے بعد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی اپنا پیغامِ نکاح دیا تو میں نے عرض کیا کہ میرے بچے بھی ہیں اور میرے مزاج میں غیرت بہت ہے اور میرا کوئی یہاں –مدینہ منورہ میں– ولی نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بچوں کا محافظ اللہ تعالیٰ ہے وہ تمام فکروغم کو کافور کردے

گا اوراس غیرت وغصہ کے ختم ہونے کے سلسلہ میں دعاء کروں گا تو اللہ تعالیٰ اسے بھی ختم کردے گا اور کوئی ولی اس نکاح کو ناپسند نہیں کرے گا، یہ سن کر میں نے اپنے بیٹے عمر سے کہا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا نکاح کرادو۔(۲) صاحبزادہ نے اپنی والدہ محترمہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کرادیا۔

## اسلام لانے کا واقعہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ''دار ارقم'' میں تشریف لے جانے سے پہلے اسلام قبول کیا ہے۔(جامع ترمذی:۲/۲۱۹)

اسلام لانے کی سرگذشت خود حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنی زبانی بیان فرماتے ہیں کہ میں عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں چرایا کرتا تھا، ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میرے پاس تشریف لائے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے بڑھ کر فرمایا اے فرزند! کیا ان بکریوں کا دودھ ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں! مگر آپ کو دودھ نہیں دے سکتا، کیونکہ یہ میری نہیں، دوسرے کی امانت ہیں، پھر آپ نے فرمایا: کوئی ایسی بکری بتاؤ جو ابھی چھوٹی ہو اور دودھ نہیں دیتی ہو، میں نے آگے بڑھ کر ایسی بکری پیش کردی، آپ آگے بڑھے اور اس بکری کی ٹانگ پکڑی اور اس کے تھن کو ہاتھ لگایا اور ساتھ ہی ساتھ کچھ دعائیں پڑھیں، تھوڑی دیر میں بکری کے تھن میں دودھ اتر آیا، جلدی سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک پیالہ نما پتھر لے آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دودھ سے بھر لیا، دونوں بزرگوں نے پیا اور مجھے بھی پلایا، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھن کو سکڑ جانے کا حکم دیا، تو وہ فوراً سکڑ کر اپنی اصلی حالت میں لوٹ آیا، میں یہ سارا منظر دیکھ کر آگے بڑھا اور عرض کیا، براہِ کرم مجھے بھی آپ یہ بابرکت کلام سکھادیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سر پر دستِ شفقت پھیرتے ہوئے فرمایا: ''إنك غُلَيِمٌ مُعلَمٌ'' تم

تعلیم یافتہ لڑکے ہو۔ (جامع ترمذي: ۲/ ۲۲۱، مناقب ابن مسعود، المستدرک: ۳/ ۳۱۸، وصححہ، والحق أن یکون حسن الحدیث)

اور دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ میں نے آگے بڑھ کر عرض کیا کہ مجھے کچھ قرآن کریم کا پڑھنا سکھا دیجئے تو آپ نے فرمایا تم تعلیم یافتہ لڑکے ہو، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ستر سورتیں یاد کیں۔ (جامع ترمذي: ۲/ ۲۰۹)

ان روایتوں میں آپ کے اسلام قبول کرنے کی صراحت نہیں ہے البتہ علامہ ذہبی نے ''مسندِ احمد'' کے حوالہ سے لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معجزہ کو دیکھنے کے بعد میں خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا۔ (موافقات عمری کی تفصیل تاریخ الخلفاء للسیوطی میں: ۱۲۲-۱۲۵، میں دیکھئے)

آپ کا بیان ہے کہ میں چھٹا مسلمان ہوں کہ جس وقت میں نے اسلام قبول کیا اس وقت مسلمانوں کی تعداد صرف پانچ تھی۔ (مسند أحمد: ۱/ ۲۵-)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلے آپ ہی نے مکہ مکرمہ میں بلند آواز سے قرآن کریم کی تلاوت کی ہے۔ (۲۶، حلیۃ الأولیاء: ۱/ ۱۲۶)

واقعہ یہ ہوا کہ آپ بیت اللہ شریف کے پاس کھڑے ہوئے اور قریش کی مجلس بھی پاس ہی میں لگی تھی، آپ نے بآوازِ بلند ''الرحمن علم القرآن'' کی تلاوت شروع کر دی، اتنا سننا تھا کہ کفار کا مجمع آپ پر ٹوٹ پڑا، اور خوب جی بھر کر آپ کی پٹائی کی۔

مسلمانوں کے تئیں کفار کے مظالم کی انتہاء کو دیکھ کر محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو سرزمینِ حبشہ ہجرت کر جانے کی اجازت دے دی، آپ بھی اس مظلوم قافلہ کے ساتھ ہو لیے۔

## حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنی زندگی کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے ہشام بن حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کو سورۃ الفرقان کی تلاوت کرتے ہوئے سنا۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہ کئی الفاظ اس انداز سے پڑھ رہے ہیں جس طرح مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں پڑھائے تھے۔

میں نے چاہا کہ نماز ہی میں ٹوک دوں لیکن میں نے صبر کیا یہاں تک کہ انہوں نے سلام پھیر لیا۔ تب میں نے ان سے کہا کہ: آپ کو یہ سورت کس نے سکھائی ہے جو میں نے ابھی آپ کو پڑھتے ہوئے سنا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائی ہے۔ میں نے کہا۔ آپ غلط کہتے ہیں۔ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے مختلف انداز سے سکھائی ہے۔ میں انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گیا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے انہیں سورۂ فرقان اس طریقہ کے خلاف پڑھتے سنا ہے جس طریقہ پر آپ نے مجھے سکھایا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: انہیں چھوڑ دو اور ہشام سے کہا پڑھو: انہوں نے اسی طریقہ پر پڑھا جس طریقہ پر انہیں پڑھتے ہوئے سنا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسی طرح نازل ہوئی''۔ پھر عمر سے کہا۔ ''آپ پڑھو''۔ میں نے اسی طرح پڑھا جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سکھائی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اسی طرح نازل ہوئی ہے''۔ پھر آپ نے فرمایا۔ ''یہ قرآن سات طریقوں پر نازل ہوا ہے لہٰذا جو طریقہ آسان ہو اس طریقہ پر قرآن پڑھ لیا کرو''۔ (بخاری، باب انزل القرآن علی سبعۃ احرف)

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو ہشام بن حکیم پر اس طریقہ کے خلاف قرآن کریم پڑھتے ہوئے سن کر بہت غصہ آیا جس طریقہ پر انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا تھا۔ وہ نماز ہی میں ٹوک دینا چاہ رہے تھے، لیکن نماز کے ختم ہونے تک صبر کیا۔ جیسے ہی نماز ختم ہوئی انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہو گئے۔ مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس حکمت کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گرم جذبہ کو ٹھنڈا کرتے ہوئے دونوں کے طریقۂ تلاوت کو نہ صرف درست بتایا بلکہ اس بات کی بھی وضاحت کر دی کہ قرآن مجید سات طریقوں پر نازل ہوا ہے۔ لہٰذا جو طریقہ آسان ہو اس طریقہ پر قرآن پڑھ لیا کرو۔

آپ نے اپنی حکومت ودانائی ہی کے ذریعہ مشتعل صحابہ کے مزاج ونفسیات کا خیال رکھتے ہوئے انکے جذبات واحساسات کوایسارخ دیا کہ تاریخ کا سنہراباب ثابت ہوا۔صحیح بخاری کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ حنین میں حاصل ہونے والا تمام مال فیٔ تالیف قلب کے طور پر مہاجرین صحابہ میں تقسیم کردیا،انصار صحابہ کو کچھ بھی نہ دیا۔اس پر انصار صحابہ میں شکوک وشبہات پیدا ہوئے اور آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے کہ مصیبت کے وقت ہم کام آئے اور جب مال تقسیم کا وقت آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں بھول گئے۔جب یہ خبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انصار صحابہ کو جمع کیا اور حمد وثنا کے بعد فرمایا:یَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ اَلَمْ اَجِدْ کُمْ ضَلاَلاً فَھَدَا کُمُ اللّٰہُ بِیْ وَ کُنْتُمْ مُتَفَرِّقِیْنَ فَاَلَّفَکُمُ اللّٰہُ بِیْ وَعَالَۃً فَاَغْنَا کُمُ اللّٰہُ بِیْ کُلَّمَا قَالَ شَیْئًا قَالُوْا اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَمَنُّ قَالَ مَا یَمْنَعُکُمْ اَنْ تُجِیْبُوْا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ کُلَّمَا قَالَ شَیْئًا قَالُوْا اللّٰہُ وَرَسُوْلَہٗ اَمَنُّ قَالَ لَوْ شِئْتُمْ قُلْتُمْ جِئْتَنَا کَذَا وَ کَذَا اَلاَ تَرْضَوْنَ اَنْ یَّذْھَبَ النَّاسُ بِالشَّاۃِ وَالْبَعِیْرِ وَتَذْھَبُوْنَ بِالنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلٰی رِحَالِکُمْ لَوْ لاَ الْھِجْرَۃُ لَکُنْتُ اِمْرَأً مِّنَ الْاَنْصَارِ وَلَو سَلَکَ النَّاسُ وَادِیًا وَشِعْبًا لَسَلَکْتُ وَادِیَ الْاَنْصَار وَشِعْبًا۔(بخاری/باب بدء الوحی)

اے انصار کی جماعت!کیا میں نے تم کو گمراہ نہیں پایا؟ پھر اللہ نے تم کو میرے ذریعہ ہدایت دی۔تم مختلف جماعتوں میں بٹے ہوئے تھے اللہ نے میرے ذریعہ تمہارے درمیان الفت ومحبت پیدا کی۔تم محتاج تھے اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ تم کو بے نیاز کیا۔ہر ایک جواب میں انصار کہتے اللہ اوراس کے رسول ہی کا فضل واحسان ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا:تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں جواب نہیں دیتے؟ ہر ایک کے جواب میں انصار کہتے ”اللہ اوراس کے رسول ہی کا فضل وکرم ہے“۔پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے مخاطب ہوکر کہا اگر تم چاہو تو کہو اے محمد صلی اللہ علیہ

وسلم! تم ہمارے پاس ایسی اور ایسی حالت میں آئے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ لوگ بکری اور اونٹ لے کر جائیں اور تم نبی کو اپنے گھر لے کر جاؤ۔ اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار کا ایک فرد ہوتا، اگر لوگ ایک وادی اور گھاٹی میں جائیں تو میں انصار کی وادی اور اس کی گھاٹی میں جاؤں گا'' مسند احمد کی روایت میں ہے کہ آپ نے پھر انصار کے لئے دعا کی ''اَللّٰھُمَّ ارْحَمِ الْاَنْصَارَ وَاَبْنَاءَ الْاَنْصَارِ وَاَبْنَاءَ اَبْنَاءِ الْاَنْصَارِ '' اے اللہ انصار پر رحم فرما اور انصار کے بیٹوں پر رحم فرما اور ان کے پوتوں پر رحم فرما۔

## نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ

حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے چہیتے مرید تھے حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ۔ ایک بہت بڑے شاعر تھے۔ حضرت نظام الدین محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے وصیت فرمائی کہ جو میری قبر پر فاتحہ پڑھنے آئے وہ پہلے خسرو کی قبر پر جائے پھر میرے پاس آئے اتنا چاہتے تھے، امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ نے فارسی میں دو کتابیں لکھیں اور محبوب الٰہی کی خدمت میں پیش کیں اور عرض کیا آپ کے خادم امیر خسرو نے گلستان، بوستاں کے مقابلے میں یہ کتابیں لکھی ہیں۔ فرمایا کس نے کہہ دیا تجھ کو ایسا کرنے کے لئے، شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کہاں اور تو کہاں؟ ارے شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے مقام پر تو مجھے بھی رسائی نہیں، حضرت نظام الدین محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی چادر امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کے سر پر ڈال دی منظر بدل جاتا ہے دیکھتے ہیں بہت بڑا مجمع ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسٹیج پر رونق افروز ہیں، امیر خسرو اور محبوب الٰہی کو مجمع کے آخر میں جگہ ملی جہاں حاضرین نے جوتے نکال کر رکھے تھے (اس کو مکاشفہ کہتے ہیں) دیکھا کہ ایک بڑے میاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پیچھے سے پنکھا جھل رہے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکراتے ہوئے فرماتے ہیں سعدی! تم نے کیا شعر کہا تھا ذرا کہو تو سہی تو پنکھا جھلتے ہوئے بڑے میاں کہتے ہیں۔ ے

بَلَغَ الْعُلیٰ بِکَمَالِہٖ　　كَشَفَ الدُّجیٰ بِجَمَالِہٖ
حَسُنَتْ جَمِيْعُ خِصَالِہٖ　　صَلُّوْا عَلَيْهِ وَاٰلِہٖ

”پہنچے بلندی پر اپنے کمال سے، کھول دیا اندھیروں کو اپنے جمال سے، اچھی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام عادتیں، درود پڑھو آپ پر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد پر۔“

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو کر فرماتے ہیں واہ تم نے کیا خوب کہا سعدی! بار بار حضور اکرم نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم داد دے رہے ہیں۔

محبوب الٰہی نے وہ چادر ہٹادی فرمایا دیکھا خسروی؟ یہ شعر کہنے والا حضور کے دربار میں ہے، شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے بَلَغَ الْعُلیٰ بِکَمَالِہٖ کہا تو اللہ کے نبی کو اتنا پسند آیا کہ مستقل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہیں۔ ہمیں بھی اپنی مجلسوں میں درود کی کثرت کرتے رہنا چاہئے اور جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی آئے تو ”صلی اللہ علیہ وسلم“ کہنا چاہئے۔

## حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ کی طرف دعوت دینے کی وجہ سے سختیوں اور تکالیف کا برداشت کرنا

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی خاطر جتنی تکلیف مجھے پہنچائی گئی اتنی کسی کو نہیں پہنچائی گئی، اور جتنا مجھے اللہ کی وجہ سے ڈرایا گیا اتنا کسی کو نہیں ڈرایا گیا، اور مجھ پر تیس دن اور تیس راتیں مسلسل ایسی گزری ہیں کہ میرے اور بلال رضی اللہ عنہ کے پاس کسی جان دار کے کھانے کے قابل صرف اتنی چیز ہوتی جو بلال کی بغل کے نیچے آجائے (یعنی بہت تھوڑی مقدار میں ہوتی تھی۔

حضرت عَقِیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قریش ابوطالب کے پاس آئے اور کہا: اے ابوطالب! آپ کا بھتیجا (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمارے گھروں اور ہماری مجلس میں ہمارے پاس آتا

ہے، اور ہمیں ایسی باتیں سناتا ہے جن سے ہمیں بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو اس کو ہمارے پاس آنے سے روک دیں۔ تو ابو طالب نے مجھ سے کہا: اے عقیل! اپنے چچازاد بھائی کو ڈھونڈ کر میرے پاس لاؤ۔ چناں چہ میں آپ کو ابو طالب کی ایک کوٹھڑی میں سے بلا کر لایا۔ آپ میرے ساتھ چل رہے تھے آپ سایہ میں چلنا چاہتے تھے (کیوں کہ دھوپ تیز تھی) لیکن راستہ میں سایہ نہ مل سکا، یہاں تک کہ آپ ابو طالب کے پاس پہنچ گئے۔ تو آپ سے ابو طالب نے کہا: اے میرے بھتیجے! اللہ کی قسم! جیسے کہ تم کو خود بھی معلوم ہے میں تمہاری ہر بات مانتا ہوں۔ تمہاری قوم والوں نے آکر یہ کہا کہ تم کعبہ میں اور اُن کی مجلسوں میں جا کر اُن کو ایسی باتیں سناتے ہو جن سے اُن کو تکلیف ہوتی ہے۔ اگر تم مناسب سمجھو تو اُن کے پاس جانا چھوڑ دو۔ آپ نے نگاہ کو آسمان کی طرف اٹھا کر فرمایا کہ جس کام کو دے کر مجھے مبعوث کیا گیا ہے اس کو چھوڑنے کی میں بالکل قدرت نہیں رکھتا ہوں، جیسے کہ تم میں سے کوئی سورج میں سے آگ کا شعلہ لانے کی قدرت نہیں رکھتا۔ اس پر ابو طالب نے کہا: میرا بھتیجا کبھی غلط بات نہیں کہتا، تم سب بھلائی کے ساتھ واپس چلے جاؤ۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ابو طالب نے کہا: اے میرے بھتیجے! آپ کی قوم میرے پاس آئی ہے اور اس نے ایسی ایسی باتیں کہیں ہیں۔ تم مجھ پر بھی ترس کھاؤ اور اپنی جان پر بھی، اور اتنا بوجھ مجھ پر نہ ڈالو کہ جس کو نہ میں اٹھا سکوں اور نہ تم۔ لہٰذا تم اپنی قوم کو وہ باتیں کہنی چھوڑ دو جو اُن کو ناگوار لگتی ہیں۔ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سمجھے کہ آپ کے بارے میں آپ کے چچا کی رائے بدل گئی ہے اور وہ اب آپ کی مدد چھوڑ کر آپ کو قوم کے حوالے کرنے والے ہیں اور اب اُن میں آپ کا ساتھ دینے کی ہمت نہیں رہی ہے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے میرے چچا! اگر سورج میرے دائیں ہاتھ میں اور چاند میرے بائیں ہاتھ میں رکھ دیا جائے تو بھی میں اس کام کو چھوڑنے والا نہیں ہوں، (میں اس کام میں لگا رہوں گا) یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کام کو غالب کر دیں یا اس کام کی

کوشش میں میری جان چلی جائے۔ اتنا کہہ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور آپ رو دیے اور آپ وہاں سے پشت پھیر کر چل دیے۔ جب ابو طالب نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے کام پر اتنے پختہ ہیں (کہ اس کے لیے جان تک قربان کرنے اور چاند، سورج تک اٹھا لینے کو تیار ہیں) تو انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پکارا: اے میرے بھتیجے! آپ اُن کی طرف متوجہ ہوئے۔ ابو طالب نے کہا: آپ اپنا کام کرتے رہیں اور جیسے دل چاہتا ہے کرتے رہیں، اللہ کی قسم! میں کسی وجہ سے بھی تمہارا کبھی ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔

حضرت عبداللہ بن جعفرؓ فرماتے ہیں کہ جب ابو طالب کا انتقال ہوا تو قریش کا ایک کمینہ آدمی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آیا اور اس نے آپ پر مٹی ڈالی۔ آپ اپنے گھر واپس چلے گئے۔ آپ کی ایک بیٹی آکر آپ کے چہرے سے مٹی صاف کرنے لگی اور رونے لگی۔ آپ نے فرمایا: اے میری بیٹی! مت رو، کیوں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے والد کی ضرور حفاظت کرنے والے ہیں۔ اور آپ فرما رہے تھے کہ ابو طالب کے انتقال تک قریش میرے ساتھ اتنی ناگواری کا معاملہ نہیں کر رہے تھے، اب یہ شروع ہو گئے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جب ابو طالب کا انتقال ہو گیا تو قریش کے لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تُرش رُوئی اور سختی کے ساتھ پیش آنے لگے۔ آپ نے فرمایا: اے میرے چچا! آپ کی کمی بہت جلد محسوس ہونے لگی۔

حضرت حارث بن حارثؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا: یہ مجمع کیسا ہے؟ میرے والد نے کہا: یہ لوگ اپنے ایک بے دین آدمی پر جمع ہیں۔ چنانچہ ہم اپنی سواری سے اُترے تو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو اللہ کو ایک مان لینے اور اس پر ایمان لانے کی دعوت دے رہے تھے، اور لوگ آپ کی دعوت کا اِنکار کر رہے تھے اور آپ کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچا رہے تھے، یہاں تک کہ آدھا دن گزر گیا اور لوگ آپ کے پاس سے چلے گئے۔ تو ایک عورت

پانی کا برتن اور رومال لیے ہوئے آئی جس کا سینہ کھلا ہوا تھا۔ آپ نے اس عورت سے برتن لے کر پانی پیا اور وضو کیا پھر اس عورت کی طرف سر اٹھا کر کہا: اے میری بیٹی! اپنے سینے کو ڈھانپ لے اور اپنے باپ کے بارے میں کوئی خوف اور خطرہ محسوس نہ کر۔ ہم نے پوچھا: یہ عورت کون ہے؟ لوگوں نے بتایا: یہ ان کی بیٹی حضرت زینبؓ ہیں۔

حضرت منیب اَزْدیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زمانۂ جاہلیت میں دیکھا تھا کہ آپ فرمارہے تھے: اے لوگو! لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کہہ لو، کامیاب ہو جاؤ گے۔ تو میں نے دیکھا کہ ان میں سے کوئی تو آپ کے چہرے پر تھوک رہا ہے اور کوئی آپ پر مٹی ڈال رہا ہے اور کوئی آپ کو گالیاں دے رہا ہے (اور یوں ہی ہوتا رہا) یہاں تک کہ آدھا دن گزر گیا۔ پھر ایک لڑکی پانی کا پیالہ لے کر آئی جس سے آپ نے اپنے چہرے اور دونوں ہاتھوں کو دھویا اور کہا: اے میری بیٹی! نہ تم اپنے باپ کے اچانک قتل ہونے کا خطرہ محسوس کرو اور نہ کسی قسم کی ذلت کا۔ میں نے پوچھا: یہ لڑکی کون ہے؟ لوگوں نے یہ بتایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا ہیں۔ وہ ایک بہت خوب صورت بچی تھیں۔

حضرت عروہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن العاصؓ سے پوچھا کہ آپ مجھے بتائیں کہ مشرکین نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے زیادہ کون سی تکلیف پہنچائی؟ انھوں نے کہا: ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حطیم کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ اتنے میں عُقْبہ بن ابی مُعَیط آیا اور اس نے اپنا کپڑا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گردن میں ڈال کر زور سے آپ کا گلا گھونٹا۔ حضرت ابو بکرؓ آئے اور عُقْبہ کو کندھے سے پکڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیچھے ہٹایا اور یہ کہا:

أَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا أَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ، وَقَدْ جَآءَ كُمْ بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ رَّبِّكُمْ۔

کیا مارے ڈالتے ہو ایک مرد کو اس بات پر کہ کہتا ہے: میرا رب اللہ ہے، اور لایا تمہارے پاس کھلی نشانیاں تمہارے رب کی۔

حضرت عمرو بن العاص ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے صرف ایک ہی دن دیکھا کہ قریش کعبہ کے سائے میں بیٹھے ہوئے حضور ﷺ کو قتل کرنے کا مشورہ کر رہے ہیں۔ اس وقت حضور ﷺ مقامِ ابراہیم کے پاس نماز پڑھ رہے تھے۔ چناں چہ عُقْبہ بن ابی مُعَیط کھڑا ہوکر آپ کی طرف بڑھا اور آپ کی گردن میں اپنی چادر ڈال کر اس نے آپ کو اس زور سے کھینچا کہ حضور ﷺ گھٹنوں کے بَل زمین پر گر گئے۔ لوگوں میں ایک شور مچ گیا۔ سب نے یہ سمجھا کہ آپ قتل کر دیے گئے ہیں۔ حضرت ابوبکر ؓ دوڑتے ہوئے آئے اور انھوں نے پیچھے سے آپ کی دونوں بغلوں میں ہاتھ ڈال کر آپ کو اٹھایا اور وہ یہ کہتے جا رہے تھے: کیا مارے ڈالتے ہو ایک مرد کو اس بات پر کہ کہتا ہے کہ میرا ربّ اللہ ہے۔ پھر کفار آپ کے پاس سے چلے گئے۔ حضور ﷺ نے کھڑے ہوکر نماز پوری فرمائی۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو کفار کعبہ کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ اُن کے پاس سے گزرے۔ آپ نے فرمایا: اے جماعتِ قریش! سن لو، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! مجھے تمہاری طرف تمہیں ذبح کرنے کے لیے ہی بھیجا گیا ہے (یعنی نہ ماننے والے ہمارے ہاتھوں آخر قتل ہوں گے)۔ اور آپ نے اپنے ہاتھ کو اپنے حلق پر پھیر کر ذبح ہونے کی طرف اشارہ کیا۔ تو آپ سے ابوجہل نے کہا: آپ تو نادان نہیں ہیں (لہٰذا ایسی سخت بات نہ کہیں، برداشت سے کام لیں)۔ آپ نے اس سے فرمایا: تو بھی ان میں سے ہے (جو آخر قتل ہوں گے)۔

حضرت عروہ بن زبیر ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ سے پوچھا کہ آپ نے قریش کو اپنی دشمنی ظاہر کرتے ہوئے حضور ﷺ کو سب سے زیادہ تکلیف پہنچاتے ہوئے جو دیکھا وہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا: ایک دفعہ قریش کے سردار حطیم میں جمع تھے، میں بھی وہاں موجود تھا۔ وہ آپس میں کہنے لگے کہ اس آدمی کی طرف سے ہمیں جتنا برداشت کرنا پڑا ہے ہمیں اتنا کبھی

برداشت نہیں کرنا پڑا۔ یہ ہمیں بے وقوف کہتا ہے اور ہمارے آباء واَجداد کو برا بھلا کہتا ہے اور ہمارے دین میں عیب نکالتا ہے اور ہماری جماعت کے ٹکڑے ٹکڑے کر رہا ہے اور ہمارے معبودوں کو گالیاں دیتا ہے۔ہم نے اس کی طرف سے بہت برداشت کرلیا ہے۔ وہ لوگ اس طرح کی باتیں کر ہی رہے تھے کہ سامنے سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چلتے ہوئے تشریف لائے۔آپ نے حجرِ اَسود کا استلام کیا اور بیتُ اللہ کا طواف کرتے ہوئے اُن کے پاس سے گزرے۔ انھوں نے آپ کی بعض باتیں نقل کر کے آپ کو طعنہ دیا۔راوی کہتے ہیں کہ میں نے اس کا اثر آپ کے چہرۂ مبارک پر محسوس کیا۔آپ ان کے سامنے سے آگے چلے گئے۔

جب آپ اُن کے پاس سے دوبارہ گزرنے لگے تو انھوں نے ویسی ہی باتیں کہہ کر آپ کو پھر طعنہ دیا جس کا اثر میں نے آپ کے چہرۂ مبارک پر محسوس کیا۔ جب آپ ان کے پاس سے تیسری مرتبہ گزرنے لگے تو انھوں نے پھر ویسی ہی باتیں کہہ کر آپ کو طعنہ دیا۔آپ نے کہا: اے جماعتِ قریش! کیا تم سن رہے ہو؟ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جان ہے! میں تو تم لوگوں کو ذبح کرنے کے لیے ہی آیا ہوں (یعنی جو ایمان نہ لائے گا وہ آخر قتل ہوگا)۔آپ کی اس بات کی اُن پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ وہ سب لوگ ایک دم سہم گئے، یہاں تک کہ اس سے پہلے جو آپ پر سختی کرنے کے بارے میں سب سے زیادہ زور لگا رہا تھا وہ بھی آپ سے عاجزی اور خوشامد سے بات کر کے آپ کو ٹھنڈا کرنے لگ گیا اور یوں کہنے لگ گیا: اے ابوالقاسم! آپ بھلائی کے ساتھ تشریف لے جائیں، اللہ کی قسم! آپ تو نادان آدمی نہیں ہیں (لہٰذا ایسی سخت بات نہ کہیں، برداشت سے کام لیں)۔آپ واپس تشریف لے گئے۔

اگلے دن وہ لوگ پھر حطیم میں جمع ہوئے، میں بھی اُن کے ساتھ تھا۔ وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ ان کی طرف سے جو تکلیفیں پیش آرہی ہیں ان کا تم نے اس سے تذکرہ کیا اور تم جو اُن

کے ساتھ معاملہ بَرَت رہے ہو اس کا تم نے اُن سے ذکر کیا، (اس کے جواب میں) جب انھوں نے تم کو ایسی بات صاف صاف کہہ دی جو تمہیں بری لگی تو تم نے ان کو چھوڑ دیا (ان کے ساتھ کچھ نہیں کیا، کچھ کرنا چاہیے تھا)۔ وہ آپس میں یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ اتنے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سامنے سے تشریف لے آئے۔ یہ سب ایک دم آپ کی طرف جھپٹے اور آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور کہنے لگے: تم ہی ہو جو یوں کہتے ہو اور یوں کہتے ہو؟ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے انھیں جو باتیں پہنچتی رہتی تھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کے معبودوں کے اور اُن کے دین کے عیوب گِنا رہے ہیں، وہ سب انھوں نے کہہ ڈالیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں، میں نے یہ سب باتیں کہی ہیں۔ تو میں نے دیکھا کہ ان میں سے ایک آدمی نے آپ کا گریبان پکڑ لیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کو بچانے کے لیے کھڑے ہوئے اور وہ روتے ہوئے کہنے لگے:

أَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا أَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللهُ۔

کیا مارے ڈالتے ہو ایک مرد کو اس بات پر کہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے۔

پھر یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے چلے گئے۔ قریش کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیفیں پہنچانے کا سب سے زیادہ سخت واقعہ جو میں نے دیکھا ہے وہ یہ ہے۔

حضرت اسماء بنتِ ابی بکر رضی اللہ عنہا سے لوگوں نے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشرکین کی طرف سے جو تکلیفیں اٹھانی پڑیں تم نے ان میں سے زیادہ سخت تکلیف کون سی دیکھی؟ انھوں نے کہا کہ مشرکین مسجدِ حرام میں بیٹھے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اور آپ ان کے معبودوں کے بارے میں جو فرماتے تھے اس کا تذکرہ کر رہے تھے کہ اتنے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سامنے سے تشریف لائے۔ وہ سب ایک دم کھڑے ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ٹوٹ پڑے۔ چیخ و پکار کی آواز حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تک پہنچی۔ لوگوں نے ان سے کہا: اپنے حضرت کو بچالو۔ حضرت ابوبکر ہمارے پاس سے اُٹھ کر چل پڑے،

اُن کی چار زلفیں تھیں اور وہ یہ کہتے جارہے تھے: تمھارا ناس ہو! کیا مارے ڈالتے ہو ایک مرد کو اس بات پر کہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے اور لایا ہے تمہارے پاس کھلی نشانیاں تمہارے ربّ کی۔ تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو چھوڑ کر حضرت ابوبکر پر ٹوٹ پڑے۔ پھر حضرت ابوبکر ہمارے پاس واپس آئے (اور کافروں نے آپ کو اتنا مارا تھا کہ) جس زُلف کو بھی پکڑتے وہ ہاتھ میں آجاتی (یعنی سر کے بال چوٹوں کی وجہ سے جھڑنے لگ گئے تھے)۔ اور وہ فرمارہے تھے:

تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالإِكْرَامِ! تو بہت برکت والا ہے اے بڑائی اور عظمت والے!

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ کافروں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو اتنا مارا تھا کہ آپ بے ہوش ہو گئے تھے، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر بلند آواز سے کہنے لگے: تمہارا ناس ہو! کیا مارے ڈالتے ہو ایک مرد کو اس بات پر کہ وہ کہتا ہے کہ میرا ربّ اللہ ہے؟ لوگوں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ کافروں نے کہا: پاگل ابوبکر ہے۔ 1

حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک دن لوگوں میں بیان کر رہے تھے، انھوں نے فرمایا: اے لوگو! بتاؤ لوگوں میں سب سے زیادہ بہادر کون ہے؟ لوگوں نے کہا: اے امیر المؤمنین! آپ۔ حضرت علی نے کہا کہ جو بھی میرے مقابلے میں آیا میں تو اس پر غالب ہوا۔ سب سے بہادر تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ ہم لوگوں نے (غزوۂ بدر کے موقع پر) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے لیے چھپّر بنایا تھا، پھر ہم نے کہا کہ کون حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ساتھ رہے گا تاکہ کوئی مشرک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم (پر حملہ) کا ارادہ نہ کر سکے؟ اللہ کی قسم! ہم میں سے کوئی بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے قریب نہ جا سکا، بس ایک ابوبکر نے اس کی ہمت کی اور وہ ننگی تلوار لیے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے سرہانے کھڑے رہے۔ جو کافر بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی طرف آنے کا ارادہ کرتا یہ اس پر جھپٹتے۔ تو یہ ہیں لوگوں میں سب سے زیادہ بہادر۔ میں نے ایک دفعہ دیکھا کہ قریش نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو چاروں طرف سے پکڑ رکھا تھا، کوئی آپ پر ناراض ہو رہا تھا، کوئی آپ کو

جھنجھوڑ رہا تھا اور وہ یہ کہہ رہے تھے کہ تم نے تمام خداؤں کا ایک خدا بنا دیا۔ اللہ کی قسم! اس دن بھی حضرت ابوبکر کے علاوہ ہم میں سے اور کوئی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب نہ جا سکا۔ یہ آگے بڑھے کسی کو مارتے تھے، کسی سے لڑتے تھے، کسی کو جھنجھوڑتے تھے اور کہتے جاتے تھے: تمہارا ناس ہو! کیا مارے ڈالتے ہو ایک مرد کو اس بات پر کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔

اتنا کہنے کے بعد حضرت علیؓ نے جو چادر اوڑھ رکھی تھی وہ اوپر اٹھائی اور رونے لگے (اور اتنا روئے) کہ اُن کی ڈاڑھی تر ہو گئی۔ پھر کہا: میں تم سے اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ آلِ فرعون کا مؤمن بہتر ہے (جن کا قرآن میں تذکرہ ہے) یا ابوبکر؟ تمام لوگ خاموش رہے۔ حضرت علی نے کہا: اللہ کی قسم! ساری زمین آلِ فرعون کے مؤمنوں سے بھر جائے تو اُن (کی زندگی بھر کے اعمال) سے حضرت ابوبکر کی ایک گھڑی زیادہ قیمتی ہے۔ آلِ فرعون کا وہ مؤمن تو اپنا ایمان چھپا رہا تھا اور یہ اپنے ایمان کا اعلان کر رہے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجدِ حرام میں تشریف فرما تھے اور ابوجہل بن ہشام، شَیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ، عقبہ بن ابی مُعَیط، اُمیّہ بن خَلَف اور دو اور آدمی، کل سات کافر حطیم میں بیٹھے ہوئے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے، اور نماز میں لمبے لمبے سجدے کر رہے تھے۔ ابوجہل نے کہا کہ تم میں سے کون ایسا ہے جو فلاں جگہ جائے جہاں فلاں قبیلہ نے جانور ذبح کر رکھا ہے اور اس کی اوجھڑی ہمارے پاس لے آئے، پھر ہم وہ اوجھڑی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اوپر ڈال دیں گے۔ ان میں سے سب سے زیادہ بد بخت عقبہ بن ابی مُعَیط گیا اور اس نے وہ اوجھڑی لا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کندھوں پر ڈال دی جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدے میں تھے۔ میں وہاں کھڑا تھا مجھ میں بولنے کی بھی ہمت نہیں تھی، میں تو اپنی حفاظت نہیں کر سکتا تھا۔ میں وہاں سے جانے لگا کہ اتنے میں آپ کی صاحب زادی حضرت فاطمہؓ نے یہ خبر سنی، وہ دوڑی ہوئی آئیں اور آپ کے

کندھوں سے اوجھڑی کو انھوں نے اتارا۔ پھر قریش کی طرف متوجہ ہو کر اُن کو برا بھلا کہنے لگ گئیں۔ کافروں نے اُن کو کچھ جواب نہ دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی عادت کے مطابق سجدہ پورا کر کے سر اٹھایا۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو تین مرتبہ یہ بددعا کی: اے اللہ! تو قریش کی پکڑ فرما۔ عتبہ، عقبہ، ابوجہل اور شیبہ کی پکڑ فرما۔ پھر آپ مسجدِ حرام سے باہر تشریف لے گئے۔

راستہ میں آپ کو ابوالبَختَرِی بغل میں کوڑا دبائے ہوئے ملا۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا چہرہ پریشان دیکھ کر پوچھا کہ آپ کو کیا ہوا؟ آپ نے فرمایا: مجھے جانے دو۔ اس نے کہا: خدا جانتا ہے میں آپ کو اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک کہ آپ مجھے نہ بتادیں کہ آپ کو کیا پیش آیا ہے؟ آپ کو ضرور کوئی بڑی تکلیف پہنچی ہے۔ جب آپ نے دیکھا کہ یہ تو مجھے بتائے بغیر نہیں چھوڑے گا تو آپ نے اس کو سارا واقعہ بتادیا کہ ابوجہل کے کہنے پر آپ پر اوجھڑی ڈالی گئی۔ ابوالبَختَرِی نے کہا: آؤ مسجد چلیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور ابوالبَختَرِی چلے اور مسجد میں داخل ہوئے۔ پھر ابوالبَختَرِی ابوجہل کی طرف متوجہ ہو کر بولا: اے ابوالحَکَم! کیا تمہارے ہی کہنے کی وجہ سے محمد پر اوجھڑی ڈالی گئی ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ ابوالبَختَرِی نے کوڑا اُٹھا کر اس کے سر پر مارا۔ کافروں میں آپس میں ہاتھا پائی ہونے لگی۔ ابوجہل چِلّایا: تم لوگوں کا ناس ہو! تمہاری اس ہاتھا پائی سے محمد کا فائدہ ہو رہا ہے۔ محمد تو یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے درمیان دشمنی پیدا ہو جائے، اور وہ اور اُن کے ساتھی بچے رہیں۔

بخاری اور مسلم اور ترمذی وغیرہ نے ابوالبَختَرِی والے قصہ کو مختصر نقل کیا اور ''صحیح بخاری'' میں یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر اوجھڑی ڈالنے کے بعد وہ لوگ زور زور سے ہنسنے لگے اور ہنسی کے مارے ایک دوسرے پر گر رہے تھے۔ امام احمد کی روایت میں یہ ہے کہ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان ساتوں کافروں کو دیکھا کہ یہ سارے کے سارے جنگِ بدر کے دن قتل کیے گئے۔

حضرت یعقوب بن عتبہ کہتے ہیں کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صفا پہاڑی پر تشریف لے جا

رہے تھے کہ اچانک سامنے سے آکر ابوجہل نے آپ کا راستہ روک لیا اور آپ کو بہت تکلیف پہنچائی۔ حضرت حمزہ ؓ شکاری آدمی تھے اور اس دن وہ شکار کرنے گئے ہوئے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ابوجہل نے جو کچھ کیا وہ حضرت حمزہ کی بیوی نے دیکھ لیا تھا۔ چناں چہ جب حضرت حمزہ (شکار سے) واپس آئے تو اُن کی بیوی نے اُن سے کہا: ابوعُمارہ! جو کچھ ابوجہل نے (آج) تمہارے بھتیجے کے ساتھ کیا ہے اگر تم اسے دیکھ لیتے (تو نہ جانے تم اس کے ساتھ کیا کرتے۔ یہ سن کر) حضرت حمزہ کو بڑا غصہ آیا۔ چناں چہ وہ گھر میں داخل ہونے سے پہلے ہی اپنی گردن میں کمان لٹکائے ہوئے اسی طرح چل دیے اور مسجدِ (حرام) میں داخل ہوئے۔ وہاں انھوں نے ابوجہل کو قریش کی ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے پایا۔ انھوں نے بغیر کچھ کہے ابوجہل کے سر پر زور سے کمان ماری اور اس کا سر زخمی کر دیا۔ قریش کے کچھ لوگ کھڑے ہو کر حضرت حمزہ کو ابوجہل سے روکنے لگے۔ حضرت حمزہ نے کہا: (آج سے) میرا بھی وہی دین ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ کی قسم! میں اپنی اس بات سے نہیں پھروں گا۔ اگر تم (اپنی بات میں) سچے ہو تو مجھے اس سے روک کر دیکھ لو۔ حضرت حمزہ ؓ کے مسلمان ہونے سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کو بہت قوت حاصل ہوئی، اور مسلمان اپنے کام میں اور زیادہ پکے ہو گئے۔

اور اب قریش ڈرنے لگے، کیونکہ انھیں معلوم تھا کہ اب حضرت حمزہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ضرور حفاظت کریں گے۔

حضرت محمد بن کعب قُرظی مرسلاً روایت کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت حمزہ ؓ اپنی تیراندازی سے واپس آئے تو اُن کو ایک عورت ملی جس نے اُن سے کہا: اے ابوعُمارہ! تمہارے بھتیجے کو ابوجہل بن ہشام سے کتنی تکلیف اُٹھانی پڑی۔ اس نے بُرا بھلا کہا، اُن کو تکلیف پہنچائی اور یہ کیا اور وہ کیا۔ حضرت حمزہ نے پوچھا: کیا کسی نے ایسا کرتے ہوئے دیکھا؟ اس نے کہا: ہاں۔ اللہ قسم! بہت سے

لوگ دیکھ رہے تھے۔ حضرت حمزہ وہاں سے چل دیے اور صفا مروہ کے پاس قریش کی اس مجلس میں پہنچے جہاں ابوجہل بیٹھا ہوا تھا۔ اپنی کمان پر ٹیک لگا کر کہنے لگے: میں نے ایسے اور ایسے تیر چلائے اور یہ کیا اور وہ کیا۔ پھر انھوں نے دونوں ہاتھوں سے کمان پکڑ کر ابوجہل کے کانوں کے درمیان سر پر اس زور سے ماری کہ کمان ٹوٹ گئی اور کہا کہ یہ تو کمان کی مار تھی اس کے بعد تلوار کی ہوگی۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور وہ اللہ کے پاس سے حق لے کر آئے ہیں۔ لوگوں نے کہا: اے ابوعمارہ! وہ ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتے ہیں، اور یہ کام تو ایسا ہے کہ اگر تم بھی کرو تو ہم تمہیں نہ کرنے دیں، حالاں کہ تم اُن سے افضل ہو۔ اور اے ابوعُمارہ! تم تو بدخُلق نہ تھے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن مسجدِ (حرام) میں (بیٹھا ہوا) تھا کہ اتنے میں ابوجہل (لَعَنَہُ اللّٰہُ) سامنے سے آیا اور کہنے لگا کہ میں نے اللہ کے لیے نذر مانی ہے کہ اگر محمد (ﷺ) کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھ لوں گا تو اُن کی گردن کو پاؤں کے نیچے روند ڈالوں گا۔ میں وہاں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف چل دیا اور جا کر میں نے انھیں ابوجہل کی بات بتائی۔ آپ وہاں سے غصہ میں نکلے یہاں تک کہ مسجدِ حرام پہنچ گئے اور مسجد میں داخل ہونے کی آپ کو اتنی جلدی تھی کہ دروازے کے بجائے دیوار پھلانگ کر آپ اندر گئے۔ میں نے کہا: آج کا دن تو بہت برا ہوگا۔ میں نے اپنی لنگی کو مضبوط باندھا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے ہولیا۔ آپ نے اندر جا کر یہ پڑھنا شروع کیا:

{اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝}

پڑھتے پڑھتے جب آپ اس آیت پر پہنچے جس میں ابوجہل کا تذکرہ ہے:

{كَلَّاۤ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰۤى ۝ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۝}

تو ایک آدمی نے ابوجہل سے کہا: اے ابوالحکم! یہ محمد (ﷺ مسجد میں) ہیں۔ اس نے کہا: کیا تم وہ (منظر) نہیں دیکھ رہے ہو جو میں دیکھ رہا ہوں؟ اللہ کی قسم! آسمان کا کنارہ مجھ پر بند ہو چکا ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سورت کے آخر پر پہنچے تو آپ نے سجدہ فرمایا۔

حضرت برّہ بنتِ ابی تجراۃ فرماتی ہیں کہ ایک دن ابو جہل اور اس کے ساتھ چند کافروں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا راستہ روکا اور آپ کو بہت تکلیف پہنچائی، تو حضرت طُلَیب بن عمیرؓ ابوجہل کی طرف بڑھے اور اسے مارا جس سے اس کا سر زخمی ہوگیا۔ لوگوں نے حضرت طُلَیب کو پکڑ لیا، ابولہب طُلَیب کی مدد کے لیے کھڑا ہوا۔ (حضرت طُلَیب کی والدہ) حضرت اَرویٰؓ کو جب اس واقعہ کی خبر لگی تو انھوں نے کہا کہ طُلَیب کی زندگی کا بہترین دن وہ ہے جس دن اس نے اپنے ماموں زاد بھائی (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مدد کی۔ لوگوں نے ابولہب سے کہا: (تمہاری بہن) اَرویٰ بے دین ہوگئی ہے۔ ابولہب حضرت اَرویٰ کے پاس گیا اور ان سے ناراض ہونے لگا تو انھوں نے کہا: تم بھی اپنے بھتیجے (محمدؐ) کی حمایت میں کھڑے ہو جاؤ، کیوں کہ اگر وہ غالب آ گئے تو تمہیں اختیار ہوگا، ورنہ تمہیں اپنے بھتیجے کے بارے میں معذور سمجھائے گا۔ ابولہب نے کہا: کیا ہم تمام عربوں (سے لڑنے) کی طاقت رکھتے ہیں؟ اور وہ تو ایک نیا دین لے کر آیا ہے۔

حضرت قتادہ مرسلاً بیان کرتے ہیں کہ عُتَیبہ بن ابی لہب کی شادی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحب زادی حضرت اُمّ کلثومؓ سے ہوئی اور حضرت رُقیّہؓ عُتَیبہ کے بھائی عتبہ بن ابی لہب کے نکاح میں تھیں۔ ابھی ان کی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا ظہور ہوا۔ جب سورت {تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ} نازل ہوئی تو ابولہب نے اپنے دونوں بیٹوں عُتَیبہ اور عتبہ سے کہا: میرا تم دونوں سے کوئی تعلق نہیں ہے اگر تم محمد (ﷺ) کی بیٹیوں کو طلاق نہ دو۔ اور عُتَیبہ اور عتبہ دونوں کی ماں بنتِ حرب بن اُمیّہ نے بھی جسے قرآن میں {حَمَّالَةَ الْحَطَبِ} کہا گیا ہے، کہا: اے میرے بیٹو! ان دونوں کو طلاق دے دو، کیوں کہ یہ دونوں بے دین ہوگئی ہیں۔ چناں چہ ان دونوں نے طلاق دے دی۔ جب عُتَیبہ نے حضرت اُمّ کلثومؓ کو طلاق دے دی تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا: میں نے تمہارے دین کا اِنکار کیا ہے اور تمہاری بیٹی کو طلاق دے دی ہے تاکہ تم کبھی

میرے پاس نہ آؤ اور نہ میں تمہارے پاس آؤں۔ پھر اس نے آپ پر حملہ کر کے آپ کی قمیض کو پھاڑ دیا۔ وہ ملکِ شام کی طرف تجارت کے لیے جانے والا تھا۔ آپ نے فرمایا: میں اللہ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ تجھ پر اپنا کوئی شیر مسلّط کر دے۔ چناں چہ وہ قریش کے تجارتی قافلہ کے ساتھ گیا۔ جب یہ لوگ زَرْقاء مقام پر پہنچے تو رات کو وہاں ٹھہر گئے۔ ایک شیر نے اس رات اس قافلہ کا چکر لگایا۔ عُتَیْبہ کہنے لگا: ہائے میری ماں کی ہلاکت! یہ شیر تو مجھے ضرور کھا جائے گا جیسے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کہا تھا۔ مجھے ابنِ ابی کبشہ (یہ نام کافروں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رکھا ہوا تھا) نے مار ڈالا جو کہ مکہ میں ہے اور میں شام میں ہوں۔ چناں چہ اس شیر نے سارے قافلہ میں سے صرف عُتَیْبہ پر حملہ کیا اور اس کا گوشت نوچ ڈالا اور اسے مار ڈالا۔

زُہیر بن علاء کہتے ہیں کہ ہمیں ہشام بن عروہ نے اپنے والد سے یوں بیان کیا ہے کہ وہ شیر اس رات اس قافلہ کا چکر لگا کر واپس چلا گیا۔ قافلہ والوں نے عُتَیبہ کو اپنے درمیان لٹایا۔ چناں چہ وہ شیر دوبارہ آیا اور سب کو پھلانگتا ہوا عُتَیبہ تک پہنچا اور اس کے سر کو چبا ڈالا۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے پہلے حضرت رُقیّہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی پھر (اُن کی وفات کے بعد) حضرت اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا سے کی۔

حضرت ربیعہ بن عباد دِیلی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تم لوگوں کو یہ کہتے ہوئے بہت سنتا ہوں کہ قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالیاں دیا کرتے تھے اور تکلیف پہنچایا کرتے تھے۔ میں ان واقعات کا کثرت سے دیکھنے والا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گھر ابولہب اور عُقْبہ بن ابی مُعَیط کے گھر کے درمیان تھا۔ جب آپ اپنے گھر واپس آتے تو دروازے پر اوجھڑی اور خون اور گندگی پاتے۔ آپ اپنی کمان کے کنارے سے ان سب چیزوں کو ہٹاتے جاتے اور فرماتے: اے قریش کی جماعت! یہ پڑوسی کے ساتھ بہت برا سلوک ہے۔

حضرت عروہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجۂ محترمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے بیان فرمایا کہ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ جنگِ اُحد کے دن سے بھی زیادہ سخت دن آپ پر

کوئی آیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے تمہاری قوم کی طرف سے بہت زیادہ تکلیفیں اٹھانی پڑیں اور اُن کی طرف سے مجھے سب سے زیادہ تکلیف عقبہ (طائف) کے دن اٹھانی پڑی۔ میں نے (اہلِ طائف کے سردار) ابنِ عبدِ یالِیل بن عبدِ کُلال کے سامنے اپنے آپ کو پیش کیا (کہ مجھ پر ایمان لاؤ اور میری نصرت کرو اور مجھے اپنے ہاں ٹھہرا کر دعوت کا کام آزادی سے کرنے دو) لیکن اس نے میری بات نہ مانی۔ میں (طائف سے) بڑا غمگین اور پریشان ہوکر راستہ پر (واپس) چل پڑا۔ (میں یوں ہی غمگین اور پریشان چلتا رہا) قرنِ ثعالِب کے مقام پر پہنچ کر (میرے اس غم اور پریشانی میں) کچھ کمی آئی تو میں نے اپنا سر اٹھایا تو دیکھا کہ ایک بادل مجھ پر سایہ کیے ہوئے ہے۔ میں نے غور سے دیکھا تو اس میں حضرت جبرائیلؑ تھے۔ انھوں نے مجھے آواز دی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کی وہ گفتگو جو آپ سے ہوئی سنی اور ان کے جوابات سنے اور ایک فرشتہ کو جس کے متعلق پہاڑوں کی خدمت ہے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ ان کفار کے بارے میں جو چاہیں اسے حکم دیں۔ اس کے بعد پہاڑوں کے فرشتے نے مجھے آواز دے کر سلام کیا اور عرض کیا: اے محمد! آپ نے جو حضرت جبرائیلؑ سے سنا ہے وہ بالکل ٹھیک ہے۔ آپ کیا چاہتے ہیں؟ اگر آپ ارشاد فرمادیں تو میں (مکہ کے) دونوں پہاڑوں (ابوقبیس اور احمر) کو اُن پر ملادوں؟ (جس سے یہ سب درمیان میں کچل جائیں) حضورِ اَقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں، بلکہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کی پشتوں میں ایسے لوگوں کو پیدا فرمائے گا جو ایک اللہ عزّ وجل کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کریں گے۔

حضرت ابنِ شہاب بیان کرتے ہیں کہ جب ابو طالب کا انتقال ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ اُمید لے کر طائف تشریف لے گئے کہ وہاں والے آپ کو اپنے ہاں ٹھہرالیں گے۔ چناں چہ آپ قبیلہ ثقیف کے تین آدمیوں کے پاس تشریف لے گئے جو اس قبیلہ کے سردار تھے، اور آپس میں بھائی

تھے، اور اُن کے نام عبدِ یالیل اور حبیب اور مسعود تھے۔ یہ عمرو کے بیٹے تھے۔آپ نے اپنے آپ کو اُن پر پیش فرمایا اور ان لوگوں سے اپنی قوم کی ناقدری اور بے حرمتی کی شکایت کی، لیکن ان لوگوں نے آپ کو بہت برا جواب دیا۔

حضرت عروہ بن زُبیرؓ فرماتے ہیں کہ ابوطالب کا انتقال ہوگیا اور (کفارِ قریش کی طرف سے) حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر تکلیفیں اور سختیاں اور زیادہ بڑھ گئیں۔آپ قبیلہ ثقیف کے پاس اس امید پر تشریف لے گئے کہ وہ آپ کو اپنے ہاں ٹھہرالیں گے اور آپ کی مدد کریں گے۔آپ نے دیکھا کہ قبیلہ ثقیف کے تین سردار ہیں جو کہ آپس میں بھائی ہیں: عبدِ یالیل بن عمرو اور حبیب بن عمرو اور مسعود بن عمرو۔آپ نے اپنے آپ کو اُن پر پیش کیا، اور ان لوگوں سے تکلیفوں کی اور اپنی قوم کی بے حرمتی کرنے کی شکایت کی۔ان میں سے ایک نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو کچھ دے کر بھیجا ہو تو میں کعبہ کے پردوں کی چوری کروں (یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو کچھ دے کر نہیں بھیجا)۔ اور دوسرے نے کہا کہ اس مجلس کے بعد میں آپ سے کبھی بھی کوئی بات نہیں کروں گا، کیوں کہ اگر آپ واقعی رسول ہیں تو آپ کا مقام اس سے بہت اونچا ہے کہ مجھ جیسا آپ سے بات کرے۔اور تیسرے نے کہا: (رسول بنانے کے لیے آپ ہی رہ گئے تھے) کیا اللہ تعالیٰ آپ کے علاوہ کسی اور کو رسول نہیں بنا سکتے تھے؟ اور آپ نے اُن سے جو گفتگو فرمائی وہ انھوں نے سارے قبیلہ میں پھیلا دی اور وہ سب جمع ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مذاق اڑانے لگے اور آپ کے راستہ پر دو صفیں بنا کر بیٹھ گئے اور انھوں نے اپنے ہاتھوں میں پتھر لے لیے اور آپ جو قدم بھی اٹھاتے یا رکھتے اسے پتھر مارتے اور آپ کا مذاق بھی اڑاتے جاتے۔جب آپ اُن کی صفوں سے آگے نکل گئے اور ان کافروں سے چھٹکارا پایا اور آپ کے دونوں قدم مبارک سے خون بہہ رہا تھا تو آپ ان لوگوں کے ایک انگوروں کے باغ میں چلے گئے اور ایک انگور کی بیل کے نیچے سائے میں بیٹھ گئے۔آپ بہت غمگین، رنجیدہ اور دُکھی اور تکلیف زدہ تھے، اور آپ کے دونوں قدموں سے خون بہہ رہا تھا۔

اسی باغ میں عتبہ بن ربیعہ اور شَیبہ بن ربیعہ کافر بھی تھے۔ جب آپ نے ان دونوں کو دیکھا تو ان کے پاس جانا پسند نہ فرمایا، کیوں کہ آپ جانتے تھے کہ یہ دونوں اللہ اور اس کے رسول کے دشمن ہیں، حالاں کہ آپ سخت تکلیف اور پریشانی میں تھے۔ان دونوں نے اپنے غلام عدّاس کو انگور دے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ وہ عیسائی تھے اور نِینویٰ کے رہنے والے تھے۔عدّاس نے آکر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے انگور رکھ دیے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (انگور کھانے کے لیے) بسم اللہ پڑھی، اس سے عدّاس کو بڑا تعجب ہوا۔آپ نے ان سے پوچھا: تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ انھوں نے کہا: میں نِینویٰ کا رہنے والا ہوں۔آپ نے فرمایا: تم اس بھلے اور نیک آدمی کے شہر کے رہنے والے ہو جن کا نام حضرت یونس بن متّیٰ تھا۔عدّاس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ کو کیسے پتہ چلا کہ حضرت یونس بن متّیٰ کون ہیں؟ آپ کو حضرت یونسؑ کے جتنے حالات معلوم تھے وہ عدّاس کو بتائے۔ اور آپ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ کسی انسان کا درجہ اس سے کم نہیں سمجھتے تھے کہ اسے اللہ کا پیغام پہنچائیں (یعنی چھوٹے بڑے ہر ایک کو دعوت دیا کرتے تھے)۔حضرت عدّاس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ مجھے حضرت یونس بن متّیٰؑ کے بارے میں کچھ اور بتائیں۔ چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حضرت یونس بن متّیٰؑ کے بارے میں جتنی وحی نازل ہوئی تھی وہ سب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عدّاس کو سنادی۔اس پر وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سجدے میں گر گئے اور آپ کے قدموں کو چومنے لگ گئے جن میں سے خون بہہ رہا تھا۔

جب عتبہ اور اس کے بھائی شَیبہ نے اپنے غلام کو یہ کرتے ہوئے دیکھا تو دونوں سکتے میں رہ گئے۔ جب حضرت عدّاسؓ ان دونوں کے پاس واپس آئے تو ان دونوں نے ان سے کہا: تم کو کیا ہوا کہ تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو سجدہ بھی کیا اور ان کے قدموں کو بھی چوما اور ہم نے تم کو ہم میں سے کسی کے ساتھ ایسا کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔حضرت عدّاس نے کہا: یہ ایک بھلے آدمی ہیں، اور انھوں نے

مجھے چند ایسی باتیں بتائی ہیں جو مجھے اس رسول کے بارے میں معلوم تھیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف مبعوث فرمایا تھا، جن کو حضرت یونس بن متّیٰ کہا جاتا ہے۔ اور انھوں نے مجھے بتایا کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ اس پر وہ دونوں ہنس پڑے اور کہنے لگے: ارے! یہ آدمی تمھیں تمہاری نصرانیت سے نہ ہٹادے، یہ آدمی بہت دھوکا دیتا ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ واپس تشریف لے آئے۔

حضرت موسیٰ بن عقبہ کی روایت میں یہ ہے کہ طائف والے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راستہ پر دو صفیں بنا کر (دائیں بائیں) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (کو تکلیف پہنچانے) کے لیے بیٹھ گئے۔ جب آپ وہاں سے گزرے تو جو قدم بھی آپ اٹھاتے یا رکھتے وہ اس پر پتھر مارتے، یہاں تک کہ انھوں نے آپ کو لہولہان کر دیا۔ جب آپ نے اُن سے چھٹکارا پایا تو آپ کے دونوں قدموں سے خون بہہ رہا تھا۔ اور ابنِ اسحاق کی روایت میں یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثقیف کی بھلائی سے نااُمید ہو کر جب ان کے پاس سے کھڑے ہو گئے تو ان سے آپ نے فرمایا: تم نے جو کچھ کرنا تھا کرلیا (کہ میری دعوت کو قبول نہیں کیا)، اتنا تو کرو کہ تم میری بات چھپا کر رکھو، کیوں کہ آپ یہ نہیں چاہتے تھے کہ آپ کی قوم کو طائف والوں نے آپ کے ساتھ جو کچھ کیا ہے وہ معلوم ہو، کیوں کہ اس سے وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف اور زیادہ جری ہو جائیں گے۔ لیکن انھوں نے ایسا نہ کیا، اور اپنے نادان لڑکوں اور غلاموں کو آپ کے خلاف بھڑکایا جس پر وہ آپ کو برا بھلا کہنے لگے اور آپ کے خلاف شور مچانے لگے، یہاں تک کہ آپ کے خلاف لوگوں کا مجمع جمع ہو گیا اور عتبہ بن ربیعہ اور شَیبہ بن ربیعہ کے ایک باغ میں پناہ لینے پر آپ کو مجبور کر دیا۔ اس وقت وہ دونوں اس باغ میں تھے۔ ثقیف کے جتنے لوگ آپ کے پیچھے لگے ہوئے تھے وہ واپس چلے گئے۔ آپ انگور کی ایک بیل کے نیچے بیٹھ گئے۔ ربیعہ کے یہ دونوں بیٹے آپ کو دیکھ رہے تھے اور طائف کے نادان لوگوں نے آپ کو جو تکلیف پہنچائی اسے بھی انھوں نے دیکھا۔

ابنِ اسحاق کہتے ہیں کہ مجھ سے یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب آپ قبیلہ بنو جُمَح کی ایک عورت سے ملے تو آپ نے اس سے فرمایا کہ ہمیں تمہارے سسرال والوں سے کتنی تکلیف اٹھانی پڑی۔ جب آپ کو (طائف والوں کی طرف سے) قدرے اطمینان ہوا تو آپ نے یہ دعا مانگی: اے اللہ! تجھ ہی سے شکایت کرتا ہوں میں اپنی کمزوری اور بے کسی کی اور لوگوں میں ذلت اور رسوائی کی۔ اے ارحم الراحمین! تو ہی ضعفا کا رب ہے اور تو ہی میرا پروردگار ہے۔ تو مجھے کس کے حوالے کرتا ہے؟ کسی اجنبی بیگانے کے جو مجھے دیکھ کر ترش رو ہوتا ہے اور منہ چڑھاتا ہے، یا کہ کسی دشمن کے جس کو تو نے مجھ پر قابو دے دیا۔ اے اللہ! اگر تو مجھ سے ناراض نہیں ہے تو مجھے کسی کی بھی پروا نہیں، تیری حفاظت مجھے کافی ہے۔ میں تیرے چہرے کے اس نور کے طفیل جس سے تمام اندھیریاں روشن ہوگئیں اور جس سے دنیا اور آخرت کے سارے کام درست ہوجاتے ہیں، اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ مجھ پر تیرا غصہ ہو یا تو مجھ سے ناراض ہو۔ تیری ناراضگی کا اس وقت تک دور کرنا ضروری ہے جب تک تو راضی نہ ہو، نہ تیرے سوا کوئی طاقت ہے نہ قوت۔

جب عتبہ بن ربیعہ اور شَیبہ بن ربیعہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس حال میں دیکھا تو رشتہ داری کا جذبہ اُن کے دل میں اُبھر آیا اور انھوں نے اپنے نصرانی غلام کو بلایا جس کا نام عدّاس تھا۔ اور اس سے کہا کہ انگوروں کا یہ خوشہ لو اور اس بڑی پلیٹ میں رکھ کر اس آدمی کے پاس لے جاؤ اور اسے کہو کہ وہ یہ انگور کھالے۔ چناں چہ عدّاس وہ انگور لے کر گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے جا کر رکھ دیے اور آپ سے عرض کیا کہ نوش فرمالیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انگوروں کی طرف ہاتھ بڑھایا تو آپ نے بسم اللہ پڑھی اور انگوروں کو کھانے لگے۔ عدّاس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چہرے کو غور سے دیکھ کر کہا: اللہ کی قسم! اس علاقے والے (کھانے کے وقت) یوں نہیں کہتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس سے پوچھا: تم کون سے علاقہ کے ہو؟ اور تمہارا دین کیا ہے؟ اس نے کہا: میں نصرانی ہوں اور نِینویٰ کا رہنے والا ہوں۔ آپ نے فرمایا: تم تو نیک آدمی یونس بن متّیٰ علیہ السلام کی بستی کے رہنے والے

ہو۔ عدّ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا: آپ کو یونس بن متیٰ کا کیسے پتہ چلا؟ آپ نے فرمایا: وہ میرے بھائی تھے اور نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں۔ عدّ اس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پورے جھک گئے اور آپ کے سر اور ہاتھوں اور قدموں کو چومنے لگے۔ (یہ منظر دیکھ کر) ربیعہ کے دونوں بیٹوں میں سے ایک دوسرے سے کہنے لگا: ارے! انھوں نے تو تمہارے غلام کو بگاڑ دیا۔ جب حضرت عدّ اس ان دونوں کے پاس واپس آئے تو دونوں نے ان سے کہا: اے عدّ اس! تیرا ناس ہو! تمہیں کیا ہوا؟ تم اس آدمی کے سر اور ہاتھوں اور قدموں کو چوم رہے تھے۔ حضرت عدّ اس نے کہا: اے میرے آقا! رُوئے زمین پر ان سے بہتر کوئی نہیں ہے، مجھے انھوں نے ایسی بات بتائی ہے جسے نبی کے علاوہ کوئی نہیں جان سکتا۔ دونوں نے حضرت عدّ اس سے کہا: تیرا ناس ہو! یہ آدمی کہیں تمہیں تمہارے دین سے نہ ہٹا دے، کیوں کہ تمہارا دین اس کے دین سے بہتر ہے۔

حضرت سلیمان تیمی نے اپنی سیرت کی کتاب میں یہ بیان کیا ہے کہ حضرت عدّ اس رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تم مجھ کو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس وقت دیکھتیں جب ہم دونوں غارِ (ثور) پر چڑھے تھے، (تو عجب منظر دیکھتیں)۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں سے خون ٹپک رہا تھا اور میرے دونوں پاؤں (سن ہوکر) پتھرا گئے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں سے خون ٹپکنے کی وجہ یہ ہے کہ) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ننگے پاؤں چلنے کے عادی نہیں تھے (اور اس موقع پر ننگے پاؤں چلنا پڑا تھا)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنگِ اُحد کے دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا (داہنا نچلا) رباعی دانت شہید ہوگیا تھا اور آپ کا سر مبارک زخمی ہوگیا تھا۔ آپ اپنے چہرۂ مبارک سے خون پونچھتے جاتے اور فرماتے جاتے کہ وہ قوم کیسے کامیاب ہوگی جنھوں نے اپنے نبی کے سر کو زخمی کر دیا اور اس کا اگلا دانت شہید کر دیا، حالاں کہ وہ ان کو اللہ کی طرف دعوت دے رہے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

{لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ}

تیرا اختیار کچھ نہیں، یا اُن کو توبہ دیوے خدا تعالیٰ، یا اُن کو عذاب کرے کہ وہ ناحق پر ہیں۔

حضرت ابوسعیدؓ فرماتے ہیں کہ جنگِ اُحد کے دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ مبارک زخمی ہو گیا۔ سامنے سے حضرت مالک بن سنانؓ آئے اور انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زخم کو چوسا اور آپ کے خون کو نگل گئے۔ آپ نے فرمایا: جو ایسا آدمی دیکھنا چاہتا ہے کہ جس کے خون میں میرا خون مل گیا ہے وہ مالک بن سنان کو دیکھ لے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ جب جنگِ اُحد کا ذکر فرماتے تو یہ ارشاد فرماتے کہ یہ دن سارے کا سارا حضرت طلحہؓ کے حساب میں ہے۔ پھر (تفصیل سے) بیان فرماتے ہیں کہ میدانِ جنگ سے منہ موڑنے والوں میں سے سب سے پہلے واپس لوٹنے والا میں تھا، تو میں نے دیکھا کہ ایک آدمی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کے لیے بڑے زور شور سے جنگ کر رہا ہے۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ خدا کرے یہ حضرت طلحہ ہوں، اس لیے کہ جو ثواب مجھ سے چھوٹنا تھا وہ تو چھوٹ گیا، اب مجھے زیادہ پسند یہ ہے کہ یہ ثواب میری قوم کے کسی آدمی کو ملے (اور حضرت طلحہ میری قوم کے آدمی تھے)۔ اور میرے اور مشرکین کے درمیان ایک آدمی اور تھا جسے میں پہچان نہیں رہا تھا اور میں بہ نسبت اس آدمی کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ قریب تھا لیکن وہ مجھ سے زیادہ تیز چل رہا تھا، تو اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ وہ ابوعبیدہ بن جرّاح ہیں۔ ہم دونوں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو ہم نے دیکھا کہ آپ کا اگلا دانت شہید ہو چکا ہے اور آپ کا چہرۂ مبارک زخمی ہے اور خَود کی دو کڑیاں آپ کے رُخسار مبارک میں گھس گئی ہیں۔ آپ نے ہم سے فرمایا: اپنے ساتھی طلحہ کی خبر لو جو کہ زیادہ خون نکلنے کی وجہ سے کمزور ہو چکے تھے۔ (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زخمی حالت میں دیکھ کر) ہم لوگ آپ کے اس فرمان کی طرف توجہ نہ کر سکے۔ (ہم بہت پریشان ہو گئے تھے) میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

چہرے سے کڑیاں نکالنے کے لیے آگے بڑھا تو حضرت ابوعبیدہ نے مجھے اپنے حق کی قسم دے کر کہا کہ (یہ سعادت لینے کے لیے) مجھے چھوڑ دو۔ میں نے (یہ موقع) اُن کے لیے چھوڑ دیا۔ انھوں نے ہاتھ سے کڑیاں نکالنا پسند نہ کیا کہ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف ہوگی بلکہ دانتوں سے پکڑ کر ایک کڑی نکالی۔ کڑی کے ساتھ ان کا سامنے کا ایک دانت بھی نکل کر گر گیا۔ جو انھوں نے کیا اسی طرح کرنے کے لیے میں آگے بڑھا، انھوں نے پھر مجھے اپنے حق کی قسم دے کر کہا: (یہ سعادت لینے کے لیے) مجھے چھوڑ دو۔ اور انھوں نے پہلی مرتبہ کی طرح دانتوں سے پکڑ کر کڑی کو نکالا۔ اس دفعہ کڑی کے ساتھ اُن کا دوسرا دانت نکل کر گر گیا۔ دانتوں کے ٹوٹنے کے باوجود حضرت ابوعبیدہ لوگوں میں بڑے خوب صورت نظر آتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت سے فارغ ہو کر ہم لوگ حضرت طلحہ کے پاس آئے۔ وہ ایک گڑھے میں پڑے ہوئے تھے، اور اُن کے جسم پر نیزے اور تیر اور تلوار کے ستّر سے زیادہ زخم تھے، اور اُن کی انگلی بھی کٹ گئی تھی۔ ہم نے اُن کی دیکھ بھال کی۔ (حیاۃ الصحابہ اردو جلد 1)

## سفر طائف: حیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے جاں گسل مرحلہ

طائف کی وادی کون بھول سکتا ہے؟ جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ظلم وستم کے طوفان کا سامنا ہوا تھا، روایات میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم طائف جاتے ہیں، امیدیں ہیں، تمنا ہے، خواہش ہے کہ مکہ اسلام سے بے زار ہے، تو طائف ہی دین رحمت کے سائے تلے آجائے، طائف کے سرداروں، قبیلہ ثقیف کے سربراہوں عبد یالیل، مسعود اور حبیب سے ملتے ہیں، دعوتِ حق پیش کرتے ہیں، مگر جواب میں طنز وملامت کے تیر سہنے پڑتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں: میں تمہارا خیر خواہ بن کر آیا ہوں، مگر طائف کی قوم اس ناصحانہ جذبے کا صلہ یہ دیتی ہے کہ جسم اقدس پر پتھروں کی بارش ہوتی ہے، پورا لباس خون سے تر ہوجاتا ہے، جوتے خون سے لبریز ہوجاتے ہیں ۔

وہ ابر لطف جس کے سائے کو گلشن ترستے تھے

یہاں طائف میں اس کے جسم پر پتھر برستے تھے

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا کہ کیا احد کے دن سے بھی زیادہ سخت کوئی دن آپ پر گذرا ہے، فرمایا: ہاں طائف کا دن، جب ظلم ہر حد سے تجاوز کر گیا تھا۔ (مشکوۃ المصابیح: الفضائل: باب المبعث)

حضرت زید رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم زخموں سے چور ہیں، زید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سہارا دے رہے ہیں، سیرت نبویہ کا یہ بہت ہی عجیب باب ہے، پیغمبر علیہ السلام کے دل کے جذبات کیا رہے ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ اپنے رب کے حضور اٹھادئے، اور کس دل سے اور تضرع، انابت، عجز، خشوع وعبدیت کی کس روح سے یہ بول کہے۔

اَللّٰهُمَّ إِلَيْكَ أَشْكُوْ ضُعْفَ قُوَّتِي، وَقِلَّةَ حِيْلَتِي، وَهَوَانِيْ عَلَى النَّاسِ، يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ، أَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ، وَأَنْتَ رَبِّيْ، إِلَىٰ مَنْ تَكِلُنِيْ؟ إِلَى بَعِيْدٍ يَتَجَهَّمُنِيْ أَمْ إِلَى عَدُوٍّ مَلَّكْتَهُ أَمْرِيْ؟ إِنْ لَمْ يَكُنْ بِكَ عَلَيَّ غَضَبٌ فَلا أُبَالِي، غَيْرَ أَنَّ عَافِيَتَكَ أَوْسَعُ لِي، أَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِيْ أَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمَاتُ وَصَلُحَ عَلَيْهِ أَمْرُ الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ مِنْ أَنْ يَنْزِلَ بِيْ غَضَبُكَ أَوْ يَحُلَّ عَلَيَّ سَخَطُكَ، وَلَكَ الْعُتْبَىٰ حَتَّى تَرْضَىٰ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِكَ۔

بارالہا: آپ ہی کے دربار میں میں اپنی کمزوری، بے بسی اور لوگوں کی نگاہ میں اپنی بے قدری کا شکوہ اور گلہ کرتا ہوں، اے سب سے بڑھ کر رحم کرنے والے: آپ کمزوروں کے رب ہیں، آپ میرے پروردگار ہیں، آپ مجھے کس کے حوالے کر رہے ہیں؟ بیگانے کے جو میرے ساتھ تندی سے پیش آئے؟ دشمن کے جو میرے اوپر قابو یاب ہو؟ اگر آپ مجھ سے ناراض نہیں ہیں، تو پھر مجھے کوئی پرواہ نہیں، مگر آپ کی عطا کردہ عافیت میرے لئے عظیم دولت ہے، میں ظلمتوں میں اجالا کر دینے والے اور دنیا اور آخرت کے تمام معاملات درست کر دینے والے آپ کے نور کا واسطہ دیکر اس سے

آپ کی پناہ چاہتا ہوں، کہ آپ کا غضب مجھ پر اترے یا آپ کی ناراضگی کا میں شکار ہوجاؤں، آپ ہی کی رضا مطلوب ہے، یہاں تک کہ آپ خوش ہوجائیں، اور آپ ہی کی توفیق اور مدد سے گناہوں سے بچنا اور نیک کام کرنا ممکن ہوسکتا ہے۔ (المعجم الکبیر للطبرانی: ۲۵/ ۳۴۶، سیرت ابن ہشام: ۲/ ۴۲۰)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم طائف کی آبادی سے مظلومانہ لہولہو نکل رہے ہیں، راستے میں انگوروں کا باغ تھا، جس کے مالک مکہ کے دو دولت مند بھائی عتبہ وشیبہ تھے، انہیں کوئی غیرت تو نہ آئی، ذرا سی ہم دردی ہوئی، اپنے نصرانی غلام عدّاس کے ہاتھ انگور بھجوادئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کردیا، عداس حیرت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے لگا، بولا کہ یہ جملہ تو یہاں کے لوگ نہیں بولتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کہاں کے ہو، تمہارا دین کیا ہے؟ عداس نے کہا: میں نینوا کا ہوں، دین مسیحی پر قائم ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا تم مرد صالح یونس بن متیٰ کے ہم وطن ہو، عداس کی آنکھیں فرط تحیر سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، پوچھا کہ آپ یونس کو جانتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یونس میرے بھائی ہیں، وہ بھی خدا کے نبی تھے، میں بھی خدا کا نبی ہوں، یہ سن کر عداس والہانہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر گر پڑا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اور ہاتھ چومے، عرض کیا: أَشْهَدُ أَنَّكَ عَبْدُ اللهِ وَرَسُوْلُهُ۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ کے اللہ بندے اور اس کے رسول ہیں۔

عداس واپس ہوا، تو اس کے آقاؤں نے کہا کہ یہ کیا معاملہ تھا؟ بولا: میرے آقا! روئے زمین پر اس شخص سے بہتر کوئی انسان نہیں ہے، اس نے مجھے ایسی بات بتائی ہے کہ جو نبی کے سوا کوئی نہیں جانتا، یہ اس دور کے نبی ہیں، ان کو نقصان پہنچانے والے کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے۔

(الروض الانف: ۲/ ۲۳۴، سیرت ابن ہشام: ۱/ ۴۱۹-۴۲۲، سیرت سرور عالم: ۲/ ۶۳۳-۶۳۶، رسول رحمت: آزاد/ ۱۵۱-۱۵۲)

پیغمبر علیہ السلام کی مظلومیت کا یہ منظر دیکھ کر اللہ کی غیرت جوش میں آجاتی ہے، ہوا کا فرشتہ حاضر خدمت ہوتا ہے، اجازت دیجئے کہ ان ظالموں کو تیز ہواؤں کے ذریعہ اکھاڑ اور پٹخ دیا

جائے، پہاڑوں کا فرشتہ آتا ہے، عرض کرتا ہے: إِنْ شِئْتَ أَنْ أُطْبِقَ عَلَيْهِمُ الْأَخْشَبَيْنِ؟
اجازت دیجیے، کہ ان ظالموں کو دونوں پہاڑوں کے بیچ پیس دیا جائے۔

طائف کے اوباشوں کا زخم خوردہ مظلوم پیغمبر کہتا ہے کہ میں ان کے لئے بددعا نہیں کرتا، یہ نہیں تو ان کی نسلیں ایمان لائیں گی۔ اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِيْ فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔

اے اللہ: میری قوم کو ہدایت دیجیے، یہ حق نہیں جانتی۔

جناب رحمۃ للعالمیں نے سن کے فرمایا
کہ میں اس دہر میں قہر وغضب بن کر نہیں آیا

(دیکھئے: صحیح بخاری: کتاب بدء الخلق: ۳۲۳۱، صحیح مسلم: کتاب الجہاد: باب مالقی النبیا من اذی المشرکین و المنافقین، زاد المعاد: ۱/ ۳۰۲)

یہ ہے کردار اس نبی کا جسے ''رؤف ورحیم'' کا لقب دیا گیا اور فرمایا گیا: لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بَالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَحِيْمٌ۔ (التوبہ/ ۱۲۸)

تمہارے پاس ایک ایسا رسول آیا ہے جو تمہیں میں سے ہے، جس کو تمہاری ہر تکلیف بہت گراں معلوم ہوتی ہے، جسے تمہاری بھلائی کی دھن لگی ہوئی ہے، جو مومنوں کے لئے انتہائی شفیق، نہایت مہربان ہے۔

## جنوں کا قبول اسلام

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم دس روز کے سفر طائف سے واپس ہو رہے ہیں، وادیٔ نخلہ میں قیام فرما ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں سورۂ رحمن کی تلاوت کر رہے ہیں، مقام نصیبین کے جن حاضر ہوئے ہیں، ان کے دل بے انتہا متاثر ہوئے ہیں، سورہ رحمن میں بار بار دہرائی جانے والی اور فصاحت اور بلاغت کی انتہائی شاہکار آیت کریمہ: فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ۔

اے جن وانس: اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

کے جواب میں۔لَا بِشَيْءٍ مِنْ نِعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ۔

اے ہمارے رب: ہم آپ کی نعمتوں میں سے کسی نعمت کونہیں جھٹلاتے۔

کے بول جنوں کی زبانوں سے نکل رہے ہیں، جنوں کا وفد مشرف باسلام ہوا ہے، اس کے بعدتو بار بار ان کی حاضری ہوتی رہی ہے۔ (الرحیق المختوم: ۲۰۳، سیرت احمد مجتبیٰ: شاہ مصباح الدین شکیل: ۱/۲۷۳-۲۷۶)

جنوں کے اس واقعہ سے یہ پیغام بھی دیا گیا ہے کہ اگر بنی نوعِ انسان اللہ کے دین کوٹھکراتے ہیں، تو اللہ کی دوسری مخلوق دین کوقبول کرنے کے لئے موفق کردی جاتی ہے، یہ کائنات میں اللہ کی سنت ہے: وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْماً غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوا اَمْثَالَكُمْ۔ (محمد/۳۸)

اگرتم روگردانی کروگےتو اللہ تمہاری جگہ دوسری قوم پیدا کردے گا، پھر وہ تم جیسےنہیں ہوں گے۔

طائف نے جہاں صدمہ دیا تھا، جنوں کے واقعہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوحوصلہ دیا۔

## مکہ واپسی

وادیٔ نخلہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی طرف لوٹ رہے ہیں، کوہ حرا کے دامن میں پہونچ کرمقیم ہیں، حضرت زید نے عرض کیا:

اے اللہ کے رسول! مکہ والےتو آپ کو برداشت نہیں کرتے، آپ کیسے جائیں گے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: زید: اللہ ضرور راستہ نکالے گا، وہ یقیناً اپنے دین کا مددگار اوراپنے نبی کوغلبہ عطا کرنے والا ہے۔ (شرح الزرقانی علی المواہب: ۲/۱۵۷)

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالترتیب اخنس بن شریق، سہیل بن عمرو اور مطعم بن عدی (سرداران مکہ) کے پاس پناہ خواہی کا پیغام بھیجا، اول الذکر دونوں نے عذر کرلیا، مطعم بن عدی نے مثبت جواب دیا، اوراپنے بیٹوں اور متعلقین کے جلو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بحفاظت حرم میں

داخل کرایا، پھر مطعم نے باآواز بلند اعلان کیا کہ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کوامان دے دی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مطعم کے اس حسن سلوک کو آئندہ ہمیشہ یادرکھا اور برابران کا ذکر خیر فرماتے رہے۔ (الرحیق المختوم/ ۲۰۵-۲۰۶، سیرت سرور عالم: ۲/ ۶۳۹)

## حضرت عمارؓ اور دیگر صحابہ پر ظلم

حضرت ابوفکیہہؓ کے سر کے بال چھیلے جاتے تھے جیسے مرغی کے پَر چھیلے جاتے ہیں۔ پھر اُن کے سر پر اَنگارہ رکھا گیا جس سے اُن کے تمام بال جل گئے۔ (سیرتِ حلبیہ: ۱/ ۴۸۱۔ ۳، سیرت النبی لابن کثیر: ۱/ ۴۹۴)

حضرت عمارؓ کی والدہ حضرت سمیّہؓ کے نازک مقام پر برچھا مار کران کر شہید کر دیا گیا اور ان کے والد بھی انہیں مشرکین کی ایذا رسانیوں کی تاب نہ لاکر جاں بحق ہو گئے۔ اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان ساری چیزوں کا علم تھا اور آپ نے بنفسِ نفیس ان مظالم کو دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ عمار! صبر کرلو، تم سے وعدہ کیا جاتا ہے تم کو ضرور جنت ملے گی۔ ۳؎ اس وقت اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ اس کے جواب میں ہمیں کچھ کرنا نہیں ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ حکم تھا کہ آپ بس اس وقت صبر کرلیں اور ایمان لانے والوں کو بھی حکم تھا کہ اس وقت برداشت کیا جائے اور مدافعت نہ کی جائے۔ انہی لوگوں نے مدینہ شریف جا کر مدافعت کی، لیکن یہاں اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کہ تمہیں اپنا ہاتھ نہیں اُٹھانا ہے۔ جو کر رہے ہیں انہیں کرنے دو، مار رہے ہیں تو مارنے دو، دھواں دے رہے ہیں تو دینے دو، پیروں میں رَسّی ڈال کر گھسیٹ رہے ہیں تو گھسیٹنے دو، آگ پر لٹا رہے ہیں تو لیٹ جاؤ، گرم گرم پتھر کی سلیں سینے پر رکھ رہے ہیں رکھنے دو۔

حضرت خباب رضی اللہ عنہ کو اَنگاروں پر لٹا دیا جاتا تھا اور اُن کی پیٹھ کے جلنے سے جو خون اور چربی نکلتی تھی اُس سے وہ اَنگارے بجھتے تھے۔ ۱؎ یہ جبر نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ یہ سب کچھ اس لیے بیان کیا گیا ہے تاکہ اس کا استحضار رہے کہ ہمیشہ اسلام چھوڑنے پر مجبور کیا گیا ہے اور اسلام لانے پر کبھی مجبور نہیں کیا گیا۔

## خوبصورتی نے ابولہب کو کامیاب نہیں کیا

جب ظاہر پر آخرت میں فیصلے ہونے والے نہیں ہیں، تو کسی کا حسین ہونا، اس کی کامیابی کی دلیل نہیں اور کسی کا بدصورت ہونا، اس کی ناکامی کی دلیل نہیں؛ اگر ایسا ہوتا، تو ابوجہل کے بارے میں آتا ہے کہ وہ بہت خوبصورت تھا اور ابولہب کے بارے میں تو آتا ہے کہ وہ بہت ہی حسین وجمیل تھا، اس کا اصل نام تو عبدالعزیٰ تھا؛ لیکن اس کو لوگوں نے ابولہب اس لیے کہا کہ وہ بڑا حسین وخوبصورت تھا، عربی میں ''لہب'' کے معنی آتے ہیں ''آگ کی لپٹیں''۔ جب آگ اٹھتی ہے، تو آپ دیکھتے ہیں کہ اس کی لپٹوں میں کیسی چمک ہوتی ہے اور کتنی خوبصورتی ہوتی ہے، جی چاہتا ہے کہ پکڑ لیں؛ لیکن نتیجہ معلوم ہے؛ اس لیے نہیں پکڑتے۔

ابولہب بھی اسی طرح بڑا ہی خوبصورت تھا، چہرے پر اندر سے خون کی ڈوریاں ایسی محسوس ہوتی تھیں، جیسی کہ آگ کی لپٹیں آرہی ہوں۔ اسی وجہ سے لوگوں نے اسے ''ابولہب'' کہا۔ لیکن قرآن میں اس کے بارے میں کہا گیا: تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَّتَبَّ مَا أَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ۔

ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ برباد ہوجائے، نہ اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اس کی کمائی۔ عنقریب وہ ایک شعلہ زن آگ میں داخل ہوگا) اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے اسی ''ابولہب'' کے ساتھ ملا کر یہ کہہ دیا کہ یہ ظاہر میں ابولہب تھا اور حقیقت میں بھی آگ میں جانے کے قابل ہے، عنقریب وہ جہنم میں جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس کا ظاہری حُسن اس کے کچھ کام نہ آیا، اگر ظاہری حسن کی وجہ سے کوئی کامیاب ہوتا تو ابولہب ناکام نہ ہوتا۔

## ابولہب اور اس کے بیٹوں کی گستاخی

ہم نبوت کے چوتھے سال میں ہیں، بدترین دشمن اسلام ابولہب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو

پریشان کرنے کے لئے اپنے بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادیوں ''حضرت رقیہ وام کلثوم'' کی نسبت توڑ دی، ابولہب کے کہنے پر عتیبہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص مبارک پھاڑ دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخ انور پر تھوکا اور گستاخی کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا دی تھی کہ: اَللّٰھُمَّ سَلِّطْ عَلَیْہِ کَلْباً مِنْ کِلَابِكَ۔

اے اللہ اس پر اپنے کتوں میں سے ایک کتا مسلط کر دیجئے۔

پیغمبر علیہ السلام کی بددعا قبول ہوئی، سیرت نگاروں کا بیان ہے کہ عتیبہ تجارتی قافلہ کے ساتھ شام گیا، اردن کے دارالحکومت عمان کے قریب زرقا نامی مقام پر قافلہ مقیم ہوا، وہاں جنگل تھا، عتیبہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا یاد آئی، وہ گھبرا گیا، اس نے اپنے ساتھیوں سے کہہ کر اپنے لئے اونچی جگہ کا انتخاب کیا، مگر رات کو ایک خونخوار شیر آیا، قافلہ کا چکر لگایا، سب کو سونگھتا ہوا بالآخر عتیبہ کے پاس پہونچا اور دبوچ کر چند لمحوں میں جہنم رسید کر دیا۔ (تفسیر ابن کثیر: ۴، سورۃ النجم، دلائل النبوۃ للبیہقی: ۲/ ۳۳۹)

## کیا ابوجہل آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی چا چا تھا یا دور کا؟

ابوجہل نہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی چچا تھا اور نہ ہی دور کا جیسا کہ اس کے نسب نامہ (عمرو ابن ہشام بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم) سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے۔ واسمہ عمرو ابن ہشام بن المغیرۃ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم الیسرۃ۔ النبویہ لابن ہشام: ۲/ رقم: ۹۴۲۔

## عشقِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک لکڑی کا رونا

خود ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ ''بخاری شریف'' میں موجود ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک منبر لکڑی کا تھا، جو ویسا ہی معمولی سا بنا ہوا تھا، کوئی مستقل منبر نہ تھا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے، کچھ لوگوں کو توجہ ہوئی، تو انھوں نے مسجد کے اندر مستقل ایک منبر تعمیر کر کے وہاں نصب کر دیا اور لکڑی کا عارضی منبر جو وہاں پر موجود تھا، اس کو وہاں

سے ہٹادیا، اس کے بعد حسبِ معمول اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ میں خطبہ ارشاد فرمانے تشریف لائے اور منبر پر کھڑے ہوئے، تو دیکھا کہ کسی کے بلک بلک کر رونے کی آواز آرہی ہے، سب پریشان کہ یہ کون رورہا ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنھم ادھر ادھر پریشان ہوکر دیکھنے لگے، پھر کسی نے بتایا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادھر، وہ منبر رورہا ہے جس کے اوپر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اب تک کھڑے ہوکر خطبہ ارشاد فرماتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ چھوڑ کر اس کی طرف تشریف لے گئے اور جاکر اس سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ کیوں رورہا ہے؟ منبر جواب دینے لگا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اب تک آپ کی قربت مجھے نصیب تھی، نئے منبر کے بننے کے بعد مجھے ایک کونے میں ڈال دیا گیا، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی برداشت نہیں کرسکتا۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سینے سے لگایا اور اس کو تسلی دی تو وہ خاموش ہوگیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ صلی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم بِیَدِہٖ لَوْ لَمْ أَلْتَزِمْہُ مَازَالَ بَاکِیاً حطباً حَتّٰی یَوْمَ الْقِیَامَۃِ، حزناً عَلٰی فِرَاقِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم''۔

اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر میں اس کو اپنے سینے سے نہ لگاتا، تو یہ میری جدائی کے صدمے میں قیامت تک روتا رہتا، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جاؤ! اس کو دفن کردو۔ (الصحیح للبخاري: ۳۳۱۹، سنن ابن ماجۃ: ۱۴۰۷، سنن الدارمي: ۴۱)

## پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ

حضرت جابر کا بیان ہے کہ ان کے والد محترم جنگِ احد میں شہید ہوگئے، اپنے ذمہ بہت سارے قرض اور نو لڑکیاں چھوڑ گئے، جب کھجور توڑنے کا وقت آیا، تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول آپ کو معلوم ہے کہ میرے والد احد

کے دن شہید ہو گئے اور بہت قرض چھوڑ گئے ہیں میں چاہتا ہوں کہ قرض خواہ یہودی آپ کو دیکھ لیں ہوسکتا ہے کہ آپ کو دیکھ کر کچھ نرمی برتیں، تو آپ نے فرمایا: جاؤ ہر قسم کی کھجوروں کا علیحدہ علیحدہ ڈھیر لگاؤ، چنانچہ میں نے حکم کے مطابق کیا۔ پھر میں نے آپ کو بلایا۔ جب ان قرضخواہوں نے آپ کو دیکھا تو مجھ پر اور بھڑک اٹھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سخت رویے کو دیکھا تو پہلے بڑے ڈھیر کے چاروں طرف چکر لگائے، اس کے بعد اس پر بیٹھ گئے، پھر فرمایا: اپنے قرض خواہوں کو بلالو، وہ آتے رہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کو باری باری ناپ کر پورا پورا دیتے رہے، اللہ تعالیٰ نے اس طرح میرے والد کی طرف سے ان کے قرض کو ادا کر دیا۔

میں یہ چاہ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کھجوروں کے ذریعہ کسی طرح میرے والد کے قرض کو ادا کر دے چاہے ایک کھجور بھی نہ بچے جسے میں اپنی بہنوں کے پاس لے کر جاؤں؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے تمام کھجوروں کے ڈھیروں کو بچا دیا اور میں اس ڈھیر کو دیکھنے لگا جس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر قرض خواہوں میں کھجوریں تقسیم فرما رہے تھے، تمام قرض خواہوں کو دینے کے بعد بھی دیکھنے میں وہ ڈھیر اس طرح لگ رہا تھا کہ اس ڈھیر سے ایک کھجور بھی کم نہ ہوئی ہو۔ (حوالہ بالا رقم الحدیث: ۵۰۰۰)

## حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزۂ مبارک

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ (ان میں سے کسی ایک) سے روایت ہے۔ راوی نے شک کا اظہار کیا ہے اور صحابی کے تعیین میں (صحابی سے روایت کرنے والے راوی کا) شک مضر نہیں ہے۔ کیونکہ صحابی کوئی بھی ہو، سب عدول ہیں (یعنی روایت حدیث میں معتبر ہیں) روایت یہ ہے کہ غزوۂ تبوک ہوا، تو اس موقعے پر صحابہ رضی اللہ عنہم کو سخت بھوک لگی، انہوں نے، عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپؐ اجازت مرحمت

فرمائیں تو ہم اپنے اونٹ نحر (ذبح) کرلیں اور ان کا گوشت کھائیں اور چربی حاصل کریں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھیک ہے کرلو۔اتنے میں حضرت عمرؓ آگئے اور انہوں نے یہ بات سن کر کہا! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ اس طرح کریں گے تو سواریاں کم ہوجائیں گی۔ البتہ آپ یہ کریں کہ ان سے ان کے بچے کچے کھانے کا سامان منگوالیں، پھر ان پر ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے برکت کی دعا فرمائیں شاید اس طرح اللہ تعالیٰ ان کے لئے اس میں برکت ڈال دے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں، ٹھیک ہے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چمڑے کا ایک دستر خوان منگوایا اور اسے بچھا دیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے ان کے بچے کھچے زادِ راہ منگوائے۔پس کوئی مکئی کی ایک مٹھی لایا، دوسرا کوئی کھجور کی مٹھی، کوئی روٹی کا ٹکڑا لایا، یہاں تک کہ دستر خوان پر اس سے کچھ چیزیں جمع ہوگئیں۔پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برکت کی دعا فرمائی اور پھر فرمایا: اپنے اپنے برتنوں میں ڈال لو، پس صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے اپنے برتنوں میں ڈالنا شروع کیا، یہاں تک کہ لشکر میں انہوں نے کوئی برتن ایسا نہیں چھوڑا جسے نہ بھرا ہوا (علاوہ ازیں) سب نے کھایا، یہاں تک کہ وہ سیر ہوگئے اور کچھ بچ بھی گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسولؐ ہوں۔جو بندہ بھی کلمہ توحید ورسالت کے ساتھ اللہ کو ملے اس حال میں کہ کوئی شک وشبہ نہ ہو، پھر اسے جنت میں جانے سے روک دیا جائے؟ (یعنی ایسا نہیں ہوگا بلکہ وہ سیدھا جنت میں جائے گا۔(مسلم)

## بنی اسرائیل پر طاعون کا عذاب

طبری رحمہ اللہ نے سیار رحمہ اللہ کی زبانی یوں نقل کی ہے کہ: ''ایک جگہ بلعام نامی ایک شخص رہتا تھا، جو مستجاب الدعا تھا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ساتھ اس علاقہ میں جانے

کے لئے نکلے، جس میں بلعام رہتا تھا (وہاں جانے کا مقصد وہاں کی کافرقوم سے جہاد کرنا تھا) بلعام کی قوم اس کے پاس آئی اور کہا کہ موسی اور بنی اسرائیل پر بددعا کردو۔ اس نے کہا کہ میں اللہ سے مشورہ کروں گا۔ بعد مشورہ اس کو منع کر دیا گیا کہ موسی علیہ السلام پر بددعاء نہ کرو۔ اس کے بعد اس کی قوم تحائف وہدایا لے کر اس کے پاس آئی، اس نے پھر وہی کہا کہ میں اللہ سے معلوم کروں گا، اب اللہ کی طرف سے اس کو کچھ جواب نہ ملا۔ قوم نے کہا کہ اگر یہ کام برا ہوتا تو اس سے آپ کو منع کیا جاتا، اس پر وہ بددعا کرنے تیار ہوگیا اور بددعا کی، اس کی زبان سے ایسے الفاظ نکلے جس سے خود اس کی قوم پر بددعا ہوگئی۔ اس پر اس کی قوم نے اس پر ملامت کی، اس نے کہا کہ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ بنی اسرائیل کی ہلاکت کس چیز میں ہے؟ اس نے کہا کہ تم اپنی عورتوں اور لڑکیوں کو بنی اسرائیل میں بھیجو تاکہ بنی اسرائیل ان سے ملوث ہوجائیں اور زنا کر کے ہلاک ہوجائیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، اس کے نتیجہ میں بنی اسرائیل ان عورتوں سے ملوث ہوگئے، اس پر بنی اسرائیل پر طاعون کا عذاب آیا اور ایک دن میں ستر ہزار بنی اسرائیل ہلاک ہوئے۔" (تاریخ الطبری:۱/ ۲۵۸-۲۵۹، البدایہ والنہایہ:۱/ ۳۲۲)

اس روایت کے بارے ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ یہ مرسل جید ہے۔

(فتح الباري:۱۰/ ۱۸۳)

## حضرت داؤد کی قوم پر طاعون

بنی اسرائیل پر حضرت موسی علیہ السلام کے زمانہ میں جس طرح یہ عذاب آیا، حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں بھی بنی اسرائیل پر طاعون کا عذاب آیا تھا۔ ابن اسحاق نے اسکی تفصیل ذکر کی ہے کہ اللہ تعالی نے حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ بنی اسرائیل کے گناہ بڑھتے جارہے ہیں۔ لہذا اب انہیں تین باتوں کا اختیار دیا جاتا ہے، یا تو انہیں قحط میں مبتلا کروں گا، یا دو ماہ تک دشمنوں کو ان پر مسلط کروں گا، یا تین دن تک طاعون میں مبتلا کروں گا، حضرت داؤد

علیہ السلام نے انہیں اسکی خبر دی، انہوں نے کہا کہ آپ ہی ان میں سے کسی بات کا ہمارے لیے انتخاب کر لیجیے، حضرت داؤد علیہ السلام نے طاعون کو پسند کیا، چنانچہ اس میں مبتلا ہوکر سورج کے زوال تک ستر ہزار اور ایک روایت میں ہے کہ ایک لاکھ آدمی ہلاک ہوئے، حضرت داؤد علیہ السلام نے تضرع کیا اور دعا کی تو اللہ نے اس بیماری کو اٹھالیا۔ (فتح الباري: ۱۰/ ۱۸۳)

## طاعون فحش کاری کی سزا

بنی اسرائیل پر طاعون آنے کا واقعہ جو اوپر ذکر کیا گیا، اس سے معلوم ہوا کہ ان پر یہ عذاب زنا و فحش کاری کے نتیجہ میں آیا تھا اور دیگر احادیث سے بھی صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ فحش و زنا کے عام ہونے پر اللہ تعالی طاعون بھیجتا ہے۔

(۱) حضرت عبداللہ بن عمر رضي اللہ عنہما اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَمْ تَظْهَرِ الفَاحِشَةُ فِيْ قَومٍ حَتّٰى يُعْلِنُوْا بِهَا إِلّا فَشَا فِيْهِمِ الطَّاعُوْنُ والأَوْجَاعُ الَّتِي لَمْ تَكُنْ مَضَتْ فِي أَسْلَافِهِمِ الّذِيْنَ مَضَوْا۔

جس قوم میں فحش کاری عام ہوجائے حتی کہ وہ اس کو علی الاعلان کرے، اس قوم میں طاعون اور ایسی بیماریاں پھیلتی ہیں جو ان کے آبا واجداد میں نہیں گذریں۔ (ابن ماجہ:۴۰۰۹، مستدرک حاکم: ۴/ ۸۳ ۵۱، المعجم الاوسط: ۵/ ۶۳، شعب الایمان: ۳/ ۱۹۲)

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے ایک لمبی حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے: ولا فشا الزنی في قوم قطّ إلّا كثُرَ فيهم الْمَوْتُ۔ کسی قوم میں زنا نہیں پھیلتا مگر ان میں موت کی کثرت ہوجاتی ہے۔ (موطا مالک: ۹۸۱، شعب الایمان: ۳/ ۱۹۶)

(۳) ام المؤمنین حضرت میمونۃ رضی اللہ عنھا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: لا تَزَالُ أُمّتِي بِخَيْرٍ مَالَمْ يَفْشُ فِيْهِمْ وَلَدُ الزِّنَا فَإِذَا فَشَا فِيْهِمْ وَلَدُ الزِّنَا فَيُوشِكُ أَنْ يَعُمَّهُمُ اللهُ بِعِقَابٍ۔

میری امت بخیر ہوگی جب تک کہ ان میں حرامی بچے زیادہ نہ ہوجائیں اور جب حرامی بچے زیادہ ہوجائیں اللہ ان پر عام عذاب بھیجے گا۔ (مسند احمد: ۶/ ۳۳۳)

اور طبرانی رحمہ اللہ نے معجم کبیر میں اسی حدیث کے یہ الفاظ روایت کیے ہیں:

لاَ تَزَالُ أُمَّتِي بِخَيْرٍ مُتَمَاسِكٍ أَمْرَهَا مَا لَمْ يَظْهَرْ فِيهِمْ وَلَدُ الزِّنَا ، فَإِذَا ظَهَرُوا خَشِيتُ أَنْ يَعُمَّهُمُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ بِعِقَابٍ۔

(میری امت بخیر ہوگی، اپنے امور پر قابو رکھنے والی ہوگی جب تک کہ ان میں حرامی بچوں کا ظہور نہ ہوجائے اور جب حرامی بچوں کا ان میں ظہور ہوجائے تو مجھے خوف ہے کہ اللہ ان پر عام عذاب بھیجے گا۔ (معجم کبیر: ۲۴/ ۲۳)

ان میں جن روایات میں موت کا ذکر ہے اس سے جمہور علما نے طاعون ہی مراد لیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ زنا کاری وفحش کاری کی سزا میں بھی طاعون آتا ہے۔

## مدینہ میں طاعون کبھی بھی نہ ہوگا

علماء کے درمیان اس میں بحث ہے کہ یہ حکم ہر زمانہ کے لیے ہے یا زمانۂ نبوی کے ساتھ خاص ہے؟ اسی طرح اس میں بحث ہے کہ اس حدیث میں لفظ ''انشاء اللہ'' کا تعلق دجال وطاعون دونوں سے ہے یا صرف طاعون سے ہے؟ ابن حجر کے کلام سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ یہ حکم تمام زمانوں پر محیط ہے، اسی لیے بعض علما نے اس کو معجزہ قرار دیا ہے کہ مدینہ کا طاعون سے محفوظ ہونا اس دور سے لیکر آج تک اور ہمیشہ کے لئے ہے۔ وہ کہتے ہیں:

**''ثم استمر ذلک بالمدینة تمییزا لها من غیرها لتحقق إجابة دعوته وظهور هذه المعجزة العظیمة بتصدیق خبره هذه المدة المتطاولة''**۔ (فتح الباري: ۱۰/ ۱۹۱)

اسی طرح ابن حجر رحمہ اللہ نے بعض علما کا قول نقل کیا ہے کہ مدینہ میں طاعون نہ داخل ہونا

دراصل معجزات محمد یہ میں سے ہے؛ کیوں کہ اطبا اول تا آخر اس بات سے عاجز ہیں کہ کسی شہر بلکہ کسی گاؤں سے طاعون کو دفع کر دیں، لیکن مدینہ میں طاعون کا داخل ہونا اس طویل مدت میں ممنوع ہو گیا۔ (فتح الباري: ۱۰/ ۱۹۱)

میں کہتا ہوں کہ طاعون کا ہمیشہ کے لیے مدینہ سے دفع ہونا ہی مراد ہونا چاہئے کیونکہ ایک خاص مدت تک کسی شہر میں طاعون کا نہ ہونا تو کوئی امتیازی حیثیت نہیں رکھتا؛ کیونکہ ایسا تو بہت سے گاؤں اورشہروں میں ہوتا ہے کہ ایک مدت تک وہاں ایسی وباء نہیں آئی، اس لیے اس کا ہمیشہ کے لیے مدفوع ہونا ہی مدینہ کا امتیاز ہے۔

## مدینہ کی طاعون سے حفاظت کیوں؟

علامہ ابن حجر اور علامہ عینی رحمہا اللہ نے اس کا ایک اور جواب دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

مسند احمد میں حضرت ابوعسیب رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جبریل علیہ السلام دو چیزیں لیکر میرے پاس آئے: ایک بخار دوسرے طاعون، میں نے مدینہ میں بخار کو روک لیا اور طاعون کو ملک شام کی طرف بھیج دیا'' ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس میں حکمت یہ تھی کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو صحابہ تعداد کے لحاظ سے بھی اور سامان کے لحاظ سے بھی بہت قلیل تھے، اور اس زمانے میں مدینہ وباء کا مرکز تھا، تو آپ کو دو باتوں (بخار یا طاعون) میں اختیار دیا گیا، جن میں سے ہر ایک میں اجر جزیل ہے، آپ نے بخار کو اس لئے ترجیح دی کہ اس میں طاعون کے بخلاف موت وہلاکت کم واقع ہوتی ہے، پھر جب آپ کو جہاد کی ضرورت پڑی اور بخار کے باقی رہنے کی صورت میں جسموں میں ضعف پیدا ہو جانے کا خطرہ تھا تو آپ نے بخار کو بھی مدینہ سے جحفہ مقام کی طرف منتقل کر دینے کی دعا کی، تو

مدینہ تمام شہروں میں سب سے زیادہ صحت مند علاقہ ہو گیا، پھر یہی صورت حال باقی رہ گئی تا کہ دوسرے شہروں سے یہ ممتاز رہے اور اللہ کے نبی کی دعا کی قبولیت کا تحقق اور آپ کی دعا سے اس عظیم معجزے کا ظہور ہو جائے۔ (فتح الباري: ۱۰/ ۱۹۱، عمدة القاري: ۱۴/ ۷۱۱)

## مکہ مکرمہ طاعون سے محفوظ

مدینہ منورہ کی طرح مکہ مکرمہ کے متعلق بھی ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ وہ طاعون سے محفوظ ہوگا۔ چناں چہ عمر بن شبہ رحمہ اللہ نے ”کتاب مکہ“ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مدینہ اور مکہ فرشتوں سے گھرے ہوئے ہیں، ہر نقب پر ایک ایک فرشتہ مقرر ہے، ان میں نہ دجال داخل ہوگا، نہ طاعون داخل ہوگا۔ علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ اس کے سب راوی بخاری کے راوی ہیں۔ (فتح الباري: ۱۰/ ۱۹۰)

بعض لوگوں نے اس پر یہ اشکال کیا ہے کہ سنہ ۷۴۹ ہجری میں مکہ میں طاعون آیا تھا۔ علما نے اس کا جواب دیا ہے: ایک جواب یہ ہے کہ یہ نقل صحیح نہیں ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث میں طاعون سے مراد عام طاعون ہے جو سب شہر والوں کو گھیر لے، مکہ و مدینہ میں ایسا نہ ہوگا؛ بلکہ اکے دکے واقعات ہوں گے۔ علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے ”**المفهم**“ میں ان احادیث کا یہی معنی و مطلب بیان کیا ہے۔ (واللہ اعلم)۔ (فتح الباري: ۱۰/ ۱۹)

## حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنی زندگی کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے ہشام بن حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کو سورۃ الفرقان کی تلاوت کرتے ہوئے سنا۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہ کئی الفاظ اس انداز سے پڑھ رہے ہیں جس طرح مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں پڑھائے تھے۔ میں نے چاہا کہ نماز ہی میں ٹوک دوں لیکن میں نے صبر کیا یہاں تک کہ انہوں نے

سلام پھیرلیا۔ تب میں نے ان سے کہا کہ: آپ کو یہ سورت کس نے سکھائی ہے جو میں نے ابھی آپ کو پڑھتے ہوئے سنا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائی ہے۔ میں نے کہا۔ آپ غلط کہتے ہیں۔ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے مختلف انداز سے سکھائی ہے۔ میں انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گیا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے انہیں سورۂ فرقان اس طریقہ کے خلاف پڑھتے سنا ہے جس طریقہ پر آپ نے مجھے سکھایا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: انہیں چھوڑ دو اور ہشام سے کہا پڑھو: انہوں نے اسی طریقہ پر پڑھا جس طریقہ پر انہیں پڑھتے ہوئے سنا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسی طرح نازل ہوئی''۔ پھر عمر سے کہا۔ ''آپ پڑھو''۔ میں نے اسی طرح پڑھا جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سکھائی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اسی طرح نازل ہوئی ہے''۔ پھر آپ نے فرمایا۔ ''یہ قرآن سات طریقوں پر نازل ہوا ہے لہٰذا جو طریقہ آسان ہو اس طریقہ پر قرآن پڑھ لیا کرو''۔ (بخاری / باب انزل القرآن علی سبعۃ احرف)

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو ہشام بن حکیم پر اس طریقہ کے خلاف قرآن کریم پڑھتے ہوئے سن کر بہت غصہ آیا جس طریقہ پر انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا تھا۔ وہ نماز ہی میں ٹوک دینا چاہ رہے تھے، لیکن نماز کے ختم ہونے تک صبر کیا۔ جیسے ہی نماز ختم ہوئی انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہو گئے۔ مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس حکمت کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گرم جذبہ کو ٹھنڈا کرتے ہوئے دونوں کے طریقۂ تلاوت کو نہ صرف درست بتایا بلکہ اس بات کی بھی وضاحت کردی کہ قرآن مجید سات طریقوں پر نازل ہوا ہے۔ لہٰذا جو طریقہ آسان ہو اس طریقہ پر قرآن پڑھ لیا کرو۔

آپ نے اپنی حکومت و دانائی ہی کے ذریعہ مشتعل صحابہ کے مزاج و نفسیات کا خیال رکھتے

ہوئے انکے جذبات واحساسات کو ایسا رخ دیا کہ تاریخ کا سنہرا باب ثابت ہوا۔ صحیح بخاری کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ حنین میں حاصل ہونے والا تمام مال فیٔ تالیف قلب کے طور پر مہاجرین صحابہ میں تقسیم کردیا، انصار صحابہ کو کچھ بھی نہ دیا۔ اس پر انصار صحابہ میں شکوک وشبہات پیدا ہوئے اور آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے کہ مصیبت کے وقت ہم کام آئے اور جب مال تقسیم کا وقت آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں بھول گئے۔ جب یہ خبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انصار صحابہ کو جمع کیا اور حمد وثنا کے بعد فرمایا:

يَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ اَلَمْ اَجِدْ كُمْ ضَلاَلاً فَهَدَا كُمُ اللهُ بِيْ وَ كُنْتُمْ مُتَفَرِّقِيْنَ فَاَلَّفَكُمُ اللهُ بِيْ وَعَالَةً فَاَغْنَا كُمُ اللهُ بِيْ كُلَّمَا قَالَ شَيْئًا قَالُوْا اللهُ وَرَسُولُهُ اَمَنُّ قَالَ مَا يَمْنَعُكُمْ اَنْ تَجِيْبُوْا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ كُلَّمَا قَالَ شَيْئًا قَالُوْا اللهُ وَرَسُولَهُ اَمَنُّ قَالَ لَوْ شِئْتُمْ قُلْتُمْ جِئْتَنَا كَذَا وَ كَذَا اَلاَ تَرْضَوْنَ اَنْ يَّذْهَبَ النَّاسُ بِالشَّاةِ وَالْبَعِيْرِ وَتَذْهَبُوْنَ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى رِحَالِكُمْ لَوْ لاَ الْهِجْرَةُ لَكُنْتُ اِمْرَأً مِّنَ الْاَنْصَارِ وَلَو سَلَكَ النَّاسُ وَادِيًا وَشِعْبًا لَسَلَكْتُ وَادِيَ الْاَنْصَار وَشِعْبًا۔ (بخاری/باب بدءالوحی)

اے انصار کی جماعت! کیا میں نے تم کو گمراہ نہیں پایا؟ پھر اللہ نے تم کو میرے ذریعہ ہدایت دی۔ تم مختلف جماعتوں میں بٹے ہوئے تھے اللہ نے میرے ذریعہ تمہارے درمیان الفت ومحبت پیدا کی۔ تم محتاج تھے اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ تم کو بے نیاز کیا۔ ہر ایک جواب میں انصار کہتے اللہ اور اس کے رسول ہی کا فضل واحسان ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں جواب نہیں دیتے؟ ہر ایک کے جواب میں انصار کہتے ''اللہ اور اس کے رسول ہی کا فضل وکرم ہے''۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے مخاطب ہوکر کہا اگر تم چاہو تو کہو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تم ہمارے پاس ایسی اور ایسی حالت میں آئے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا

: کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ لوگ بکری اور اونٹ لے کر جائیں اور تم نبی کو اپنے گھر لے کر جاؤ۔ اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار کا ایک فرد ہوتا، اگر لوگ ایک وادی اور گھاٹی میں جائیں تو میں انصار کی وادی اور اس کی گھاٹی میں جاؤں گا'' مسند احمد کی روایت میں ہے کہ آپ نے پھر انصار کے لئے دعا کی ''اَللّٰھُمَّ ارْحَمِ الْاَنْصَارَ وَاَبْنَاءَ الْاَنْصَارِ وَاَبْنَائَ اَبْنَاءَ الْاَنْصَارِ'' اے اللہ انصار پر رحم فرما اور انصار کے بیٹوں پر رحم فرما اور ان کے پوتوں پر رحم فرما۔

## نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت ودانائی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے اہل مدینہ کے دو قبیلہ اوس وخزرج کی آپس میں بڑی جنگیں چلتی رہتی ہیں معمولی معمولی باتوں پر دونوں قبیلے سالہا سال لڑتے رہتے تھے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو حکمت ودانائی کے پیش انصار ومہاجرین کا آپس میں مواخات کرادیا اور یہودیوں اور مسلمانوں میں سیاسی حکمت عملی کے پیش نظر معاہدہ بھی کرایا تا کہ یہودیوں کی طرف سے کوئی خطرہ پیش نہ آئے ایک دفعہ کسی غزوہ میں یا ایک چشمہ پر ایک انصاری اور ایک مہاجر کا آپس میں جھگڑا ہو گیا مہاجر نے کہا یَا لِلْمُهَاجِرِیْنَ اور انصار نے کہا یَالَلْاَنْصَارِ مہاجر نے مہاجروں کو بلویا اور انصاری نے انصار کو بلوایا اور اس طرح قوی امکان تھا کہ انصار ومہاجرین آپس میں دست وگریباں ہو جائیں لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حکمت عملی سے اس کو دفع فرمادیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک ایک واقعہ ہمارے لئے قابل تقلید نمونہ ہے اسی لئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ تمہارے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں بہتر پیروی اور عمدہ نمونہ ہے۔ قرآن کریم نے آپ صلی اللہ علیہ

وسلم سے محبت کرنے کو خدائی محبت قرار دیا۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ۔

اے نبی فرما دیجئے کہ اگر تم کو خدا کی محبت کا دعویٰ ہے تو میری اتباع کرو اللہ تم کو پیار کرے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا۔ ہم زندگی کے جس شعبہ میں چاہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عملی نمونہ ہمارے سامنے موجود ہے۔ اگر ہم زندگی کے ہر موڑ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو آئیڈیل بنائیں تو ہر ہر مسئلہ حل ہو جائے گا اور آئے دن کے جو جھگڑے رونما ہو رہے ہیں وہ ہرگز پیش نہ آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

## حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا رعب و دبدبہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس ایک مرتبہ روم کا قاصد آیا چونکہ مدینہ میں وہ پہلی دفعہ آیا تھا اسے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا مکان معلوم نہ تھا صرف نام سے واقف تھا، ایک بہت بڑے بادشاہ کا گمان اس کے ذہن و دماغ میں تھا کہ جس طرح دیگر بادشاہ دنیا کے عیش و عشرت اور ٹھاٹھ سے رہتے ہیں اسی طرح حضرت عمر بھی ہوں گے چنانچہ جب مدینہ منورہ پہنچا تو اس نے پوچھا: امیر المؤمنین کا دربار کہاں ہے؟ تو لوگوں نے کہا کہ وہ مسجد میں آرام فرما رہے ہیں یہ مسجد کی طرف چلا وہاں جا کر دیکھا کہ حضرت عمر ایک تہ بند پہنے ہوئے اور اینٹ کا تکیہ لگا کر سو رہے ہیں۔ یہ شخص دیکھ کر بڑا حیران اور متعجب ہوا کہ ایک ایسا بادشاہ جس کا نام سن کر بڑے بڑے بہادر اور شیر دل بھی کانپ اٹھتے ہیں وہ اس طرح بغیر کسی حفاظتی دستہ اور ہتھیار کے زمین پر آرام سے سو رہا ہے اور اس کو کسی طرح کا کوئی خوف اور ڈر بھی نہیں ہے پھر اس قاصد کے دل میں اتنا ڈر و خوف

پیدا ہوتا ہے کہ وہ کانپنے لگتا ہے اور دل میں کہتا ہے کہ اس مرد فقیر سے مجھے اس طرح خوف محسوس ہو رہا ہے کہ جو جسم مجھے عطا کیا گیا ہے اگر اس طرح کے سات جسم بھی عطا ہو جائیں تو بھی اس کے خوف سے کانپ اٹھیں گے پھر اس کی سمجھ میں بات آ گئی اور کہا کہ درحقیقت یہ رعب و دبدبہ یہ خوف مجھے اس مرد فقیر کا نہیں ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ سے بہت قریب ہے اس لئے مجھے بھی اس سے خوف اور ڈر محسوس ہو رہا ہے پھر اس کے دل کی دنیا بدل جاتی ہے اور وہ بھی مشرف بہ اسلام ہو جاتا ہے۔

## حضرت سلیمان علیہ السلام کی آہ وزاری

ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے عمامہ اپنے سر پر رکھا آئینہ میں دیکھا تو عمامہ ٹیڑھا ہو گیا پھر سیدھا کیا اور آئینہ میں دیکھا پھر ٹیڑھا ہو گیا پھر سیدھا کیا اور دیکھا تو پھر ٹیڑھا ہو گیا اسی طرح تین دفعہ ہوا تو سجدے میں گر گئے اور روئے گڑگڑائے پھر عمامہ سر پر رکھا اور آئینہ میں دیکھا تو سیدھا تھا۔

نگاہ اقربا بدلی مزاج دوستاں بدلا
نظر ان کی کیا بدلی کہ کل سارا جہاں بدلا

ایک بات ذہن میں آتی ہے کہ آخر عمامہ تو بے جان چیز ہے اس کو اتنی سمجھ کہاں سے آ گئی اور وہ کیسے حکم سے سرتابی کر گیا تو مولانا رومیؒ نے اس کا جواب دیا ہے۔ ؎

خاک و باد و آب و آتش بندہ
اند با من و تو مردہ با حق زندہ اند

آگ پانی مٹی ہوا یہ سب ہمارے تمہارے نزدیک تو مردہ ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا معاملہ بندوں جیسا ہوتا ہے اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت اور طاقت رکھنے والے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی چیز بھی مشکل نہیں ہے، دنیا کی ساری چیزیں اللہ

کے حکم کی محتاج ہیں۔ اللہ کی مشیت نہ ہوتو چھری بھی اپنا کام نہیں کرسکتی۔ اللہ کی مشیت نہ ہوتو آگ بھی جلانے کا کام نہیں کرسکتی اور اللہ کی مشیت ہوتو سب کچھ ہوسکتا ہے، اسی طرح عمامہ کا ٹیڑھا ہونا اوراس کا سیدھا ہونا یہ بھی اللہ کی مشیت اور اللہ کے حکم پر موقوف ہے۔ عمامہ کیوں ٹیڑھا ہو گیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام تو اللہ کے پیغمبر ہیں کیا ان سے کوئی غلطی ہوگئی تھی؟ حالانکہ انبیاء علیہم السلام گناہوں سے پاک ہوتے ہیں۔ البتہ ان کا کوئی کام خلاف اولی ہوتو وہ بھی غلطی میں شمار کیا جاتا ہے۔ حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّآتُ الْمُقَرَّبِيْن۔ ممکن ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے بھی ایسے ہی کوئی خلاف اولیٰ کام صادر ہو گیا ہو، جس کی بنا پر عمامہ نے بھی ان کی نافرمانی کی۔

## حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت

انسان کی آخری سانسیں ایک ایسا مرحلہ ہے جس کی زندگی ہی میں تیاری کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمارے اسلام تو موت کے بستر پر بھی موت کے بعد کی زندگی کی تیاری کرتے تھے۔ امیر المومنین عمر بن خطاب ؓ نمازِ فجر پڑھا رہے تھے کہ ابولؤلؤ فیروز نے پیٹ میں زہر آلود خنجر گھونپ دیا۔ تکلیف سے زمین پر گر پڑے۔ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے نماز مکمل کرائی۔ نماز کے بعد لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے، خون میں لت پت تھے۔ کسی نے کہا: امیر المومنین: نماز، نماز۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں، اللہ کی قسم! اس شخص کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں جو نماز کو ضائع کردے۔ پھر نماز پڑھنے کے لئے اٹھے تو زخم سے خون تیزی سے بہنے لگا۔ زخم پر کپڑا باندھ کر نماز مکمل کی۔ نماز کے بعد عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو اشارہ کیا کہ معلوم کرو کہ یہ کس کا کام ہے؟ تھوڑی دیر بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ واپس آئے اور بتایا کہ مغیرہ بن شعبہ ؓ کے غلام نے آپ کو نیزہ مارا ہے۔ پھر کہا: امیر المومنین! میں آپ کو جنت کی خوش خبری دیتا ہوں، مدینہ

میں کوئی آنکھ ایسی نہیں ہے جو آپ پر آنسو نہ بہا رہی ہو، میں آپ کو جنت کی مبارک باد دیتا ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جاؤ ابن عباس رضی اللہ عنہ! کسی اور کو ان باتوں کا دھوکہ دو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: میں آپ کو یہ خوش خبری کیوں نہ دوں، جب کہ اللہ کی قسم آپ کے اسلام لانے سے مسلمانوں کو قوت حاصل ہوئی، آپ کی ہجرت سے فتح نصیب ہوئی، اللہ نے آپ کو خلیفہ بنایا تو آپ نے انصاف کیا اور اب مظلومی کی حالت میں شہید کئے گئے ہیں۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اے ابن عباس رضی اللہ عنہ کیا تم کل قیامت کے دن ان باتوں کی گواہی دو گے؟ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی زبان ذرا سا لڑکھڑائی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو وہاں موجود تھے جواب دیا: ہاں امیر المومنین! ہم کل قیامت کے دن اللہ کے حضور ان باتوں کی گواہی دیں گے۔

## وفات کے وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی کیفیت

اس میں شک نہیں کہ موت کے وقت مرنے والے کو اس طرح کی خوش خبری دینا ایک اچھا کام ہے، تاکہ رحمتِ الٰہی کی امید کا پہلو اس کے نزدیک غالب رہے کیوں کہ انسان اللہ تعالیٰ سے جیسی امید کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ فرماتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں تو کئی بشارتیں تھیں جنہیں وہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے سن چکے تھے۔ لیکن ان سب بشارتوں کے باوجود اور اس تکلیف کے عالم میں بھی وہ تقویٰ و پرہیز گاری کی روش پر قائم تھے۔ کیوں کہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بجائے اپنے اچھے اعمال پر بھروسہ کرنا ایک شیطانی دھوکہ ہے۔ اصلی چیز تو اللہ کی رحمت ہے، اعمال تو بس رحمتِ الٰہی کے حصول کا وسیلہ اور ذریعہ ہیں۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ سے کہا جن کی گود میں ان کا سر تھا کہ میرا سر زمین پر رکھ دو۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے

سوچا شاید ناگواری کی وجہ سے اس طرح کہہ رہے ہوں، اس لیے خاموش رہے۔ جب تین مرتبہ یہی کہا تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سر زمین، پر رکھ دیا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے، یہاں تک کہ مٹی ان کے گالوں اور آنکھوں پر لگ گئی۔ اس کے بعد کہا: عمر اور عمر کی ماں کے لیے ہلاکت ہے، اگر آج اللہ اس کی بخشش نہ کرے۔ (تاریخ عمر لابن الجوزی ص ۲۲۱)

## حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا محاسبۂ نفس

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حَاسِبُوْا اَنْفُسَکُمْ قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا وَزِنُوْا اَعْمَالَکُمْ قَبْلَ اَنْ تُوْزِنُوْا۔ (معارج القبول بشرح سلم الوصول / باب ارکان الایمان)

محاسبہ کیے جانے سے پہلے اپنے نفس کا محاسبہ کرلو اور وزن کئے جانے سے پہلے اپنے اعمال کو وزن کرلو' یعنی اپنے آپ کو میزان میں رکھو، اس سے پہلے کہ تمہیں میزان میں رکھا جائے۔

محاسبۂ نفس کے لیے کوئی خاص طریقہ متعین نہیں ہے، تاہم سلف وصالحین کی زندگیوں کا مطالعہ اور ان کے محاسبہ کا طریقہ اس باب میں فائدہ مند ہوسکتا ہے، اس لئے ذیل میں ایک دو مثالیں دی جارہی ہیں۔

خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے اپنے ہر حاکم، داعی اور مربی پر محاسبۂ نفس لازم کر رکھا تھا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک دن نکلا، وہ ایک باغ میں داخل ہوئے میرے اور ان کے درمیان صرف ایک دیوار حائل تھی، میں نے باہر سے انہیں اندرونِ باغ یہ کہتے ہوئے سنا: عمر! امیر المومنین ہوگیا، نہیں نہیں، خطاب کے بیٹے! تم اللہ کا تقویٰ اپناؤ ورنہ وہ تمہیں عذاب دے دے گا۔ (احمد بن حنبل: الزہد ۱۴۹)

## حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول

امیر المومنین سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ خدا اس شخص پر رحم کرے

جو مجھے میرے عیوب پر مطلع کردے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بعض دفعہ حضرت حذیفہ بن الیمان کے مکان پر جاتے اوران سے کہتے کہ اے حذیفہ رضی اللہ عنہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راز دار ہواور منافقین کو پہچانتے ہواور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ حیات ہی سے ان کو جانتے ہوتو تم دیکھو کہ میرے اندر نفاق تو نہیں اگر ہوتو مجھے بتلادو، وہ جواب دیتے کہ اے امیر المومنین بخدا میں آپ کے اندر نفاق بالکل نہیں پاتا اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے کہ تم غور کرواور اچھی طرح تامل کرو پھر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ دیر تک روتے رہتے یہاں تک کہ دونوں بے ہوش ہوجاتے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کوتو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس بات پر رونا آتا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس خوف سے روتے کہ شاید میرے اندر کچھ نفاق خفیف سا ہو جو مجھے اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو محسوس نہ ہوتا ہو۔

تو دیکھو حضرت عمر رضی اللہ عنہ باوجودیکہ ان کی فضیلت اور اللہ تعالیٰ کا ان سے راضی ہونا قطعی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے جنتی ہونے کی شہادت بھی موجود ہے چنانچہ ارشاد ہے: ''لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ''۔ (سورہ فتح:۱۸)

''ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ مومنین سے راضی ہوگئے جب کہ وہ شجرہ حدیبیہ کے نیچے آپ سے بیعت کرتے تھے۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی بے شبہ بیعت رضوان میں موجود تھے اس پر بھی وہ اپنے نفس کو نفاق سے متہم سمجھتے تھے۔ جب حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا تو ہم جیسوں کا تو کیا حال ہونا چاہئے۔

## سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ گھر والوں کو نماز کیلئے جگاتے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ رات کو خدا کے حضور کھڑے نماز پڑھتے رہتے۔ پھر جب تہجد کا وقت آتا تو اپنی بیوی کو جگاتے اور کہتے اٹھو اٹھو نماز پڑھو اور پھر یہ آیت بھی پڑھتے: وَاْمُرْ اَهْلَكَ

بِالصَّلٰوةِ وَاصۡطَبِرۡ عَلَیۡهَا ''اوراپنے گھر والوں کونماز کی تاکید کیجئے اورخود بھی اس کے پوری طرح پابندرہئے۔''

صحابی رسولؐ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تو گھر والوں کی تربیت وتہذیب اوردین وعمل کی اس حدتک فکرفرماتے کہ انہوں نے رات کے تین حصے کرر کھے تھے،ایک حصے میں وہ خوداٹھ کرخدا کے حضور کھڑے ہوتے ،ایک حصے میں ان کی بیوی اٹھ کرتہجد پڑھتیں اورایک حصے میں ان کے خادم عبادت میں مشغول ہوتے۔اس طرح پوری رات ہی نورانی رہتی تھی۔''

یہ واقعات اس لئے نہیں سنائے جاتے ہیں کہ ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیں بلکہ اس پرعمل کریں۔شعر

علم چنداں کہ بیشتر خوانی

چوعمل درتو نیست نادانی

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدااس مرد پررحم فرمائے جورات کواٹھ کرنماز پڑھے اوراپنی بیوی کوبھی جگائے۔اور بیوی اگرنہ اٹھے تواس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے اورخدااس عورت پررحم فرمائے جورات کواٹھ کرنماز پڑھے اوراپنے شوہرکوبھی جگائے اورشوہراگرنہ اٹھے تو اس کے منہ پرپانی کے چھینٹے مارے۔''

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی مردرات میں اپنی بیوی کو جگاتا ہے اوروہ دونوں مل کر دورکعت نماز پڑھتے ہیں توشوہرکا نام ذکرکرنے والوں میں اوربیوی کا نام ذکرکرنے والیوں میں لکھ لیاجاتا ہے۔'' (ابوداؤد)

## گھر کے نگراں پراصلاح کی ذمہ داری

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح باہرتبلیغ وتعلیم میں مصروف رہتے اسی طرح گھر میں بھی اس

خوش گوار فریضے میں لگے رہتے ۔قرآن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا گیا ہے۔

’’اور تمہارے گھروں میں جو خدا کی آیات پڑھی جاتی ہیں اور حکمت کی باتیں سنائی جاتی ہیں ان کو یاد رکھو۔‘‘ اور اسی کا نتیجہ تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں دینی علوم اور دینی تہذیب کا ایسا ذوق پیدا ہو گیا تھا کہ بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہ ان سے دین کے مسائل پوچھتے اور دین کے احکام میں ان کی معلومات سے فائدہ اٹھاتے تھے۔

مرد چونکہ گھر کا نگراں اور ذمہ دار ہے اس لئے جس طرح گھر کی دوسری ضرورتیں فراہم کرنا اس کی ذمہ داری ہے اسی طرح اس کا خوش گوار فریضہ یہ بھی ہے کہ وہ اپنی بیوی کو دینی علوم و احکام اور تہذیب سکھائے۔خدا اور بندوں کے حقوق بتائے اور وہ تمام وسائل اس کیلئے مہیا کرے جن سے وہ ایک اچھی بیوی، اچھی ماں اور خدا کی نیک بندی بن سکے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا ’’اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ۔‘‘

مومن کی ذمہ داری صرف یہی نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچائے بلکہ اس کی واضح ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ اپنے گھر والوں کو بھی جہنم کی آگ سے بچائے۔‘‘ برائی کو مٹانے اور بھلائی کو پھیلانے کا جو اہم کام مومن کے سپرد کیا گیا ہے اس کا سب سے پہلا کام اس آدمی کا اپنا گھر ہے۔اس کو نگاہ رکھنی چاہئے کہ اس کا گھر ان تمام برائیوں سے پاک رہے جن کا نتیجہ خدا کا غضب اور جہنم کی ہولناک آگ ہے اور اسی طرح اس کی دلی تمنا اور انتھک کوشش ہونی چاہئے کہ اس کا گھر محض عیش و عشرت اور راحت و آرام کا گہوارہ ہی نہ ہو بلکہ دین کا ایک کھلا مدرسہ ہو اور اس مدرسے میں نہ صرف زبان و کتاب سے دین کی تعلیم دی جائے بلکہ عمل و اخلاق سے بھی دینی تربیت اور تہذیب کا پورا پورا اہتمام ہو۔

## شیطان حضرت عمر کو دیکھتا تو راستہ بدل دیتا

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يَا ابْنَ خَطَّابٍ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا لَقِيَكَ الشَّيْطَانُ سَالِكًا فَجًّا قَطُّ اِلَّا سَلَكَ فَجًّا غَيْرَ فَجِّكَ۔ (صحیح بخاری: فضائل الصحابۃ، ۳۶۸۳)۔وفی الترمذی اِنَّ الشَّيْطَانَ لَيَخَافُ مِنْكَ يَا عُمَرُ (سنن ترمذی: کتاب المناقب، ۴۰۵۴)

اے ابن خطاب! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ شیطان جب تم کو کسی راستے میں چلتے ہوئے دیکھتا ہے تو اس راستہ کو چھوڑ کر دوسرے راستے پر چلنے لگتا ہے۔اور ترمذی کی روایت میں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے عمر! بیشک شیطان تم سے ڈرتا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر کی کسی بات میں شیطان کا دخل نہیں ہوسکتا، یہ صفت اگر عصمت نہیں تو ظل عصمت ہونے میں کیا شک ہوسکتا ہے۔

اس فرمانِ نبی کو دیکھئے، کہ حضرت عمر کے بارے کیا ارشاد فرمارہے ہیں؟ اور آج کے بعض جاہل اور زندیق نعوذ باللہ حضرت عمر کو بدعتی اور ان کی سنتوں کو بدعت کہنے لگتے ہیں!

## حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی بیعت

حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کی شہادت کے بعد تین دن تک خلافت کا منصب خالی رہا۔۔۔اس دوران لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے درخواست کی:

آپ خلافت کا منصب قبول کریں۔

لوگوں نے سخت اصرار کیا لیکن حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے یہ بھاری بوجھ اٹھانے سے انکار کردیا۔آخر کار جن مہاجرین اور انصار کا اصرار حد سے بڑھ گیا، تب آپ نے مجبور ہو کر یہ بوجھ اٹھالیا۔ چنانچہ ۲۱ ذوالحجہ ۳۵ ہجری کے دن مسجد نبوی میں حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے دست مبارک پر بیعت ہوئی۔

خلیفہ بننے کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کو سب سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کا پتا چلانا اور نہیں سزا دینا تھا۔۔۔لیکن اس وقت مشکل یہ تھی کی شہادت کے وقت صرف ان کی زوجہ محترمہ حضرت نائلہ موجود تھیں اور وہ قاتلوں کو پہچانتی نہیں تھیں۔

یہاں یہ بات سمجھ لیں کہ تاریخ کی کتابوں میں قاتلوں کے نام لکھے ہیں لیکن گواہی کی جو قانونی حیثیت ہے، اس سے وہ مجرم ثابت نہیں ہوتے تھے۔ مطلب یہ کہ قاتلوں کے خلاف گواہ کوئی نہیں تھا۔اسی لئے حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ انہیں سزا دینے کے معاملے میں معذور تھے۔ ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ کر سکے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کا خیال تھا کہ یہ جو اتنا بڑا سانحہ ہوا ہے۔۔۔ یہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کے گورنروں اور دوسرے عہدے داروں کی بے احتیاطی سے ہوا ہے، چنانچہ خلیفہ بننے کے بعد آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کے دور کے عاملوں کو معزول کر دیا۔ عثمان بن حنیف کو بصرے کا گورنر مقرر فرمایا۔عمار بن حسان کو کوفے کی حکومت سپرد کی۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما کو یمن کا امیر مقرر فرمایا اور سہیل بن حنیف کو شام کا گورنری کا فرمان دے کر روانہ کیا۔سہیل تبوک کے مقام تک پہنچے تھے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فوجیوں نے انہیں روک لیا اور مدینہ واپس جانے پر مجبور کیا۔یہ خبر سن کر حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کو اندازہ ہوا کہ ان کی خلافت لڑائی جھگڑوں سے خالی نہیں ہے۔

اب حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کو لکھا:

مہاجرین اور انصار نے میرے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے۔ان سب نے اتفاق کر کے خلیفہ چن لیا ہے۔اس لیے آپ بھی مجھے خلیفہ مان لیں۔

اس کے جواب میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنے قاصد قبیصہ عبسی کے

ذریعے زبانی پیغام بھیجا۔انہوں نے آکر حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے ملاقات کی اور کہا:

شام میں ساٹھ ہزار لوگ ایسے ہیں، جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کی خون آلود قمیص کو دیکھ کر روتے ہیں۔

یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا:

کیا وہ لوگ مجھ سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کے خون کا بدلہ طلب کرتے ہیں۔اے اللہ! میں عثمان کے خون سے بری ہوں۔عثمان کے قاتلوں سے اللہ سمجھے۔

یہ کہ کر حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے قبیصہ کو واپس روانہ کر دیا۔حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے اس جواب سے انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ بیعت نہیں کریں گے۔

دوسری طرف حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوئی ہی تھیں کہ راستے میں ان کے ایک عزیز مل گئے۔ان سے مدینہ منورہ کے حالات پوچھے تو انہوں نے بتایا کہ۔۔حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کو شہید کر دیا گیا ہے۔اور حضرت علی خلیفہ مقرر ہو گئے ہیں اور وہاں فتنے کا بازار گرم ہے۔

آپ نے یہ خبر سنی تو مکہ واپس لوٹ گئیں۔لوگوں نے واپسی کی وجہ پوچھی تو فرمایا:

عثمان مظلوم شہید کر دیئے گئے یہ فتنہ دبتا نظر نہیں آرہا، اس لئے تم لوگ مظلوم خلیفہ کا خون رائیگاں نہ جانے دو۔قاتلوں سے خون کا حساب لے کر اسلام کی عزت بچاؤ۔"

حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کی شہادت کے بعد مدینہ منورہ میں فتنہ وفساد کے آثار دیکھ کر حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالی عنہما بھی حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے اجازت لے کر مکہ آگئے۔حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے ان سے بھی وہاں کے حالات پوچھے۔انہوں نے بھی وہی حالات بیان کئے۔اس طرح تمام باتوں کی تصدیق ہو گئی۔

ادھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی پوری کوشش کے باوجود حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتلوں کا پتا چلانے میں کامیاب نہیں ہو رہے تھے... یہی وہ حالات تھے جن میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خون کے بدلے کا مطالبہ کیا۔ مکہ میں اپنے اردگرد موجود لوگوں کے درمیان آپ نے اعلان کرایا:

ہم عثمان کے خون کا بدلہ لیں گے۔

اس وقت مکہ معظّمہ کے حاکم عبداللہ بن عامر حضرمی تھے۔ انہوں نے اور ان کے ساتھ مروان بن حکم اور سعید بن عاص وغیرہ نے نہایت پرجوش انداز میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ساتھ دینے کا اعلان کیا۔ یہ حضرات بنی امیہ سے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی بنی امیہ سے تھے۔ اس طرح بنی امیہ کے لوگ ان کے گرد جمع ہونے لگے اور یہ ایک باقاعدہ تحریک بن گی۔ ان حضرات نے مکہ سے بصرہ جانے کا پروگرام بنایا تاکہ وہاں کے لوگوں کو ساتھ ملایا جاسکے۔

ان حضرات کی ان تیاریوں کی خبریں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچیں تو آپ نے بھی بصرہ کا رخ کیا تاکہ ان لوگوں سے پہلے وہاں پہنچ کر بیت المال کی حفاظت کریں.......... اور عراق کے لوگوں کو اپنی وفاداری کے لئے تیار کرسکیں..... مدینہ منورہ کے لوگوں کو جب آپ کے اس ارادے کی خبر ہوئی تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ان میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی موجود تھے.... یہ بہت بلند پایہ صحابی تھے... غزوہ بدر میں شریک رہ چکے تھے۔ انہوں نے مدینہ منورہ کے ساتھیوں کی طرف سے عرض کیا:

آپ کا مدینہ منورہ چھوڑ کر جانا کسی طرح بھی مناسب نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں کتنی بڑی بڑی جنگیں پیش آئیں لیکن انہوں نے کبھی مدینہ منورہ سے باہر قدم نہیں رکھا۔ یہ ٹھیک ہے، اس وقت حضرت خالد، ابوعبیدہ، سعد بن وقاص اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے صحابہ کرام نے

شام اور ایران کو فتح کر ڈالا تھا لیکن اس وقت بھی جانبازوں کی کمی نہیں، لہذا آپ یہیں رہیں۔

ان کی اس بات کے جواب میں حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا:

عراق اس وقت مسلمانوں کی بہت بڑی نو آبادی ہے۔ وہاں کے بیت المال بھی مال وزر سے پر ہیں اس لئے میرا وہاں موجود رہنا ضروری ہے۔

اس کے بعد آپ نے مدینہ منورہ میں عام اعلان کر دیا کہ لوگ عراق کے سفر کے لئے تیار ہو جائیں بعض بڑے صحابہ کے علاوہ باقی لوگ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ انہیں لیے مدینہ منورہ سے نکلے۔ ابھی زی قار تک پہنچے تھے کہ خبر ملی۔۔۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور مکہ نے دوسرے لوگوں کے ساتھ بصرہ پہنچ گئے ہیں۔ قبیلہ بنو سعد کے علاوہ وہاں کے تمام لوگوں سے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے۔

یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ وہیں رک گئے۔ آپ نے حضرت حسن اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالی عنہم کو کوفہ روانہ فرمایا تا کہ وہاں کے لوگوں کو حضرت علی رضی اللہ تعالہ عنہ کی حمایت پر تیار کریں۔

حضرت حسن رضی اللہ تعالی عنہ نے کوفہ پہنچ کر وہاں کی مسجد میں لوگوں کے سامنے تقریر کی اور انہیں حضرت علی کا ساتھ دینے کے لئے کہا۔۔۔ حجر بن عدی کندی کوفہ کے بڑے آدمی تھے بہت با اثر تھے۔ انہوں نے حضرت حسن رضی اللہ تعالی عنہ کی تائید کی اور کہا:

”لوگو! امیر المومنین نے خود اپنے صاحبزادے کو بھیج کر دعوت دی ہے۔ اس دعوت کو قبول کرو اور حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کا ساتھ دے کر فتنے کی آگ کو بجھا دو۔ میں بھی ان کے ساتھ ہوں۔“

اس طرح حضرت حسن اور حجر بن عدی کندی کی تقریروں سے لوگوں میں جوش پیدا ہو گیا ان

کے گرد تقریباً ۹ ہزار مسلمان جمع ہو گئے یہ انہیں لے کر روانہ ہوئے اور ذی قا پہنچ کر حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی فوج میں شامل ہو گئے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے اب اپنی فوج کو نئے سرے سے ترتیب دیا اور بصرہ کی طرف کوچ فرمایا۔

## حضرت علیؓ کی علمیت

حکایات میں بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عمر ابن الخطاب نے اپنے زمانہ خلافت میں حضرت خذیفہ بن یمانؓ سے ملاقات کی تو حضرت خذیفہ سے پوچھا اے خذیفہ تم نے کس حال میں صبح کی؟ فرمایا: اے امیر المومنین فتنہ سے محبت کرتا ہوں، حق کو ناپسند کرتا ہوں، جو شئے پیدا نہیں ہوئی اس کا قائل ہوں جو نہیں دیکھا اس کی گواہی دیتا ہوں، بغیر وضو کے صلٰوۃ ادا کرتا ہوں، زمین میں میرے پاس ایک ایسی چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کے پاس آسمان میں نہیں ہے تو حضرت عمرؓ اس بات پر بہت غصہ ہوئے، اور ارادہ کیا کہ ان کو سخت سزا دیں پھر آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں صحابیتؓ کا لحاظ کر کے رک گئے۔ آپ اس کشمکش میں تھے کہ آپؓ کے پاس حضرت علی بن ابی طالبؓ گزرے تو ان کے چہرے سے غصہ کو بھانپ گئے اور عرض کیا اے امیر المومنین! آپ کو کس نے غصہ الود کیا تو انہوں نے سارا قصہ بیان کیا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: اے امیر المومنین! آپ کو یہ بات غصہ نہ دلائے یہ (خذیفہ) فتنہ کو پسند کرتے ہیں اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: {إنما أموالكم وأولادكم فتنة} یہ اولاد اور مال پسند کرتے ہیں ان کا مراد یہی ہے فتنہ سے ان کا یہ کہنا کہ وہ حق کو پسند نہیں کرتے، تو حق سے مراد موت ہے جس سے کوئی چارہ نہیں ان کا یہ کہنا ہے کہ وہ ہی کہتے ہیں جو پیدا نہیں ہوا مراد اس سے قرآن ہے جو پیدا شدہ نہیں (بلکہ اللہ پاک کی صفت کلام ہے ان کا یہ کہنا ہے کہ اس کی گواہی دیتا ہے جس کو دیکھا نہیں۔ یہ اللہ کی تصدیق کر رہے ہیں جس کو

انہوں نے نہیں دیکھا ہے۔ ان کا یہ کہنا کہ بغیر وضوء کے صلوٰۃ ادا کرتا ہوں تو یہ بغیر وضوء کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ (درود) پڑھتے ہیں (اور درود کا بغیر وضوء پڑھنا گناہ نہیں ہے) ان کا یہ کہنا کہ ان کے پاس زمین میں وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے پاس آسمان میں نہیں ہے وہ اس طرح کہ حذیفہؓ کے پاس بیٹی بھی ہے اور بیوی بھی جبکہ اللہ تعالیٰ کے پاس نہ بیٹے ہیں اور نہ بیوی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: اے ابوالحسن (یہ حضرت علیؓ کی کنیت ہے) تمام خوبیاں اللہ تعالیٰ کیلئے ہے تم نے میری بہت بڑی فکر زائل کر دی۔ (انسو کا سمندر: ۱۸۳)

## حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عشق الٰہی

بعض عاشقان الٰہی کو دن رات کی عبادت میں نہ جنت کی خواہش ہوتی ہے اور نہ دوزخ کا خوف صرف دیدار الٰہی کی تمنا رکھتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یا اللہ اگر میں دوزخ کے ڈر سے عبادت کروں تو مجھے دوزخ میں ڈال دے۔ اگر میں جنت کی آرزو میں تیری عبادت کرتا ہوں تو مجھے ہرگز جنت میں جگہ نہ دینا اگر میں تیری محبت میں عبادت کرتا ہوں تو مجھے اپنا دیدار کرا دینا۔

## حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خشیت

''میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے بعض معرکوں میں دیکھا کہ رات گزر چکی ہے۔ ستارے ڈوب چکے ہیں اور وہ اپنی داڑھی پکڑے ہوئے ایسے مضطرب ہیں جیسے مار گزیدہ مضطرب ہوتا ہے اور اس حالت میں وہ غم زدہ آدمی کی طرح رو رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے دنیا! مجھ کو فریب نہ دے تو مجھ سے چھیڑ چھاڑ کرتی ہے یا میری مشتاق ہوتی ہے۔ افسوس افسوس میں نے تجھ کو تین طلاقیں دے دی ہیں۔ جس سے رجعت نہیں ہوسکتی۔ تیری عمر کم اور تیرا مقصد حقیر ہے۔ آہ زادِ راہ

کم اورسفر دوردراز کا ہے۔ راستہ وحشت خیز ہے۔شیعہ مصنف ہاشم حسین لکھتے ہیں کہ:''**فذرفت دموع ماعویه علی لحیة فما بکهه وهو نیشفها یکمه وقد احتنق القوم بالبکا، ثم قال معاویه رحم الله ابا الحسن کان والله کذالک**'' حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل سن کر بے اختیار حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے آنسوان کی داڑھی پر گرنے لگے اور وہ انہیں اپنی آستین کے ساتھ پونچھتے رہے اور قوم کے گلے بھی روتے روتے بند ہو گئے۔

پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ضرار صدائی سے فرمایا: اللہ ابوالحسن پر رحم کرے۔ اللہ کی قسم جیسے آپ نے بیان کیا وہ ان ہی صفات وکمالات کے جامع تھے۔

(حلیۃ الابرار جلداول،ص ۳۴۶ تحت الباب الخامس العشر ون فی زہدہ فی الدنیا، درہ نجفیہ شرح نہج البلاغۃ،ص،۳۶۰،الاستیعاب مع الاصابۃ تحت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب،جلد ۳،ص، ۴۴)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت اگرچہ سخت مشکلات اور آزمائشوں سے گھر ہوا تھا لیکن اس کے بارے میں اہل سنت کا اجماعی موقف یہ ہے کہ اس تمام معاملے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دامن ایک خلیفہ راشد کی حیثیت سے بالکل بے داغ اور بے غبار رہا ہے۔ اللہ رب العزت امت مسلمہ کو آپ کے ارشادات وتعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

## حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیٹے کو نصیحت

امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنے بیٹے امام حسن رضی اللہ عنہ سے وصیت کرتے ہیں کہ عورتوں کو پردہ میں رکھ کران کی نگاہوں کو تاک جھانک سے محفوظ رکھو کہ پردہ کی سختی اس کی عزت وآبرو کو باقی رکھنے والی ہے اوران کا گھر سے نکل جانا غیر معتبر افراد کے اپنے گھر میں داخل کرنے سے زیادہ خطرناک نہیں ہے اگر ممکن ہو کہ وہ تمہارے علاوہ کسی کو نہ پہچانیں تو ایسا ہی کرو، اور خبر دار انہیں ان کے ذاتی مسائل سے زیادہ اختیار نہ دو اس لئے کہ عورت ایک پھول ہے اور حاکم

نہیں ہے۔اس کے پاس ولحاظ کو اس کی ذات سے آگے نہ بڑھاؤ اور اس میں دوسروں کی سفارش کا حوصلہ پیدا نہ ہونے دو۔ دیکھو خبردار غیرت کے مواقع کے علاوہ غیرت کا اظہار مت کرنا اس طرح اچھی عورت بھی برائی کے راستہ پر چلی جائے گی اور بے عیب بھی مشکوک ہو جاتی ہے۔

اسلام گھر میں رہنے والے افراد کو ایک دوسرے کے حق کی رعایت کرنے پہ تاکید کرتا ہے ہر حال میں والدین کی اطاعت۔ بیٹے کو صحیح ادب اور قرآن کی تعلیم۔عورتوں کی باہر نہ جانے کی اجازت ،گھر کا حاکم مرد، وغیرہ وغیرہ لیکن عصر حاضر کو ان اخلاقیات کی قلت کا سامنا ہے بچے والدین کو اپنے حال پہ چھوڑ دیتے ہیں ماں باپ بچوں کو اسلامی آداب اور قرآنی تعلیم سکھانے میں ذلت کا احساس کرتے ہیں اسلئے انہیں انگلش میڈیم بھیجنا پسند کرتے ہیں جہاں انہیں دنیوی علم تو ملتا ہے لیکن عمل اور اداب انسانی سے وہ مرحوم رہتے ہیں والدین قرآنی تعلیم کے بجائے انہیں فلمی نغمیں سنانا پسند کرتے ہیں جوان کے فساد کا سبب بن جاتا ہے اور کل وہ معاشرے میں بڑے ہو کر دوسروں کے لئے وبال جان بن جاتے ہیں اور طبیعی ہے کہ یہیں بچے اپنے والدین کو پھر اپنے حال پے چھوڑ دیتے ہیں۔

## حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قیمتی نصیحت

ہمیں صلہ رحم اور اپنے رشتہ داروں اور قرابت داروں سے محبت اور حسن اخلاق سے پیش آنے کی تلقین کرتا ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔اے لوگو! کوئی انسان اپنے طائفے (رشتہ داروں) سے بے نیاز نہیں ہے گرچہ کتنا ہی ثروت مند اور مالدار ہی کیوں نہ ہو وہ ان ہاتھوں کا محتاج ہے جن سے وہ اسکا دفاع کرتے ہیں اسکے رشتہ دار حفظ عیب کیلئے اہم افراد ہیں اور اچھی طرح سے اس کی سختیوں کو دور کر سکتے ہیں اور دشواریوں کے وقت اس پر سب سے زیادہ مہربان ہیں اور خدا جسے لوگوں کے درمیاں اچھا نام عطا کرے وہ اس ثروت اور مال سے بہتر ہے جو دوسروں کے لئے میراث میں چھوڑتا ہے۔

خبردار! کوئی اپنے رشتہ داروں سے منہ نہ موڑے جس وقت اسے فقیری اور پریشانی میں دیکھے اسے چاہیے کہ اس پر احسان کرے اگر مال امساک کیا جائے تو وہ زیادہ نہیں ہوتا اور خرچ کرنے سے کم نہیں ہوتا جو کوئی اپنے رشتہ داروں سے دستبردار ہو اس سے بہت سارے ہاتھ دستبردار ہوں گے اور جو کوئی تواضع اور مہربانی سے پیش آئے انکی ہمیشہ باقی رہنے والی دوستی کو اپنی طرف جاذب کرتا ہے۔اکرم عشیرتک فانہم جناحک الذی بہ تطیر واصلک الذی الیہ تصیر ویدک التی بہا تصول''اپنے قبیلہ کا احترام کرو کہ یہی تمہارے لئے پرواز کا مرتبہ رکھتے ہیں اور یہی تمہاری اصل ہے جن کی طرف تمہاری بازگشت ہے، اور تمہارے ہاتھ ہیں جن کے ذریعہ حملہ کر سکتے ہو، من ضیع الاقرب اتیح لہ الابعد'' (حکمت) جسے قریب والے چھوڑ دیتے ہیں اسے دور والے مل جاتے ہیں۔وصلۃ الرحم فانہا مثریۃ فی المال ومنیۃ فی الاجل''بیشک صلہ رحم مال کو اضافہ اور اجل کو ٹالنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

اخلاقیات کے حسن معاشرت کے باب میں اپنے رشتہ داروں کے ساتھ مہربان اور مل جل کر رہنے کی تاکید کی گئی ہے کیونکہ وہی اسکے رنج وغم میں مددگار ہوتے ہیں اور صلہ رحم کی طرف خاص توجہ دی گئی ہے تاکہ انسان میل ملاپ سے ایک اچھا جامعہ اور معاشرے کو تشکیل دے سکے یہ سب اسی لئے ہے تاکہ برائی اور فساد کی روک تھام ہو سکے کیونکہ اپنا بن کے رہنا انسان کو کدورت، حسادت اور بھی بہت سی برائیوں سے پاک رکھتا ہے آج کا معاشرہ بالکل اس سے خالی ہے لوگوں کے پاس اپنے والدین یا بیوی کے ساتھ مل جل کر رہنے کے لئے ٹائم نہیں ہے تو صلہ رحم کے لئے کہاں سے وقت نکال کر لائیں گے تبھی تو اپنے قریب ہوتے ہوئے بھی دور ہو جاتے ہیں اور برائی اور فساد کا امکان زیادہ ہی بڑھتا جاتا ہے ہمیں چاہیے کہ حسنِ معاشرت کے اس اخلاقی نکتہ پہ خاصی توجہ دی جائے تاکہ آئندہ نسل کو فساد اور برائیوں میں ڈھکیلنے سے روک سکیں۔

# حضرت علی رضی اللہ عنہ کا توکل واعتماد

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک ایمان افروز ارشادو واقعہ ملاحظہ کیجئے: وہ یہ کہ مسافر بن عوف بن الاحمر نے ایک بار جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اہلِ نہروان سے جہاد کے لیے نکلنا چاہتے تھے، کہا کہ آپ اس وقت نہ جائیں اور دن کے تین گھنٹے گزرنے کے بعد جائیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیوں؟ اس نے کہا: کیوں کہ آپ اس گھڑی میں جائیں گے، تو آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو بلا اور شدید نقصان پہنچے گا اور اگر اس وقت میں جائیں، جو میں نے بتایا ہے، تو آپ کو کامیابی وغلبہ نصیب ہوگا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی نجومی نہیں تھا اور نہ اب تک ہمارا کوئی نجومی ہے، کیا تو جانتا ہے کہ اس تیرے گھوڑے کے پیٹ میں کیا ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں! اگر میں حساب لگاؤں، تو جان لوں گا۔ آپ نے کہا کہ جس نے تیری اس بات کی تصدیق کی، اس نے قرآن کی تکذیب کی؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ تو یہ کہتے ہیں:

{إِنَّ اللهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ}۔ (لقمان:۳۴)

اللہ ہی پاس قیامت کا علم ہے، وہی بارش نازل کرتا ہے اور وہی جانتا ہے کہ ماں کے رحم میں کیا ہے؟

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اس چیز کے جاننے کا دعوی نہیں کیا، جس کا تو نے دعوی کیا ہے، کیا تو گمان کرتا ہے کہ تو اس گھڑی ووقت کو جانتا ہے، جس میں سفر کرنے سے کوئی برائی لاحق ہو گی؟ اس نے کہا کہ ہاں! آپ نے فرمایا کہ جس نے تیری اس بات کی تصدیق کی، وہ گویا برائی کے پہنچانے کے بارے میں اللہ سے مستغنی ہوگیا اور اس کو مناسب ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر تجھے ہی اپنے معاملے کا متولی بنادے؛ کیوں کہ تو گمان کرتا ہے کہ تو اس کو اس گھڑی کی جانب ہدایت کرسکتا

ہے،جس میں سفر کرنے سے وہ برائی سے نجات پا جائے گا، پس جس نے اس بات کو سچ سمجھا، مجھے اس پر اندیشہ ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ شرک کرنے والے کی طرح ہے۔

پھر آپ نے فرمایا کہ اے اللہ! کوئی فال نہیں ہے؛ مگر تیرا فال اور کوئی خیر نہیں ہے؛ مگر تیرا خیر، پھر اس شخص سے فرمایا کہ ہم تیری تکذیب ومخالفت کرتے ہیں اور اسی گھڑی میں سفر کرتے ہیں ،جس سے تو نے روکا ہے، پھر آپ نے لوگوں کو دیکھ کر فرمایا کہ اے لوگو! تم علم نجوم سے بچو؛ مگر وہ جس سے خشکی وسمندر کی اندھیریوں میں راستہ پا سکو، نجومی تو کافر ہے اور کافر جہنمی ہے۔ پھر اس شخص سے کہا کہ اللہ کی قسم! اگر مجھے یہ بات پہنچی کہ تو علمِ نجوم میں غور وفکر کرتا اور اس پر عمل کرتا ہے، تو میں تجھے تیرے یا میرے رہنے تک حبسِ دوام میں رکھ دوں گا اور جتنا میرے بس میں ہے،اس قدر تجھ کو بخشش سے محروم کر دوں گا۔

اس کے بعد آپ اسی وقت میں سفر پر نکلے،جس میں نکلنے سے اس نے منع کیا تھا اور اہلِ نہروان کے پاس آئے اور ان کو قتل کیا، پھر فرمایا کہ اگر ہم اُس وقت میں چلتے جس میں چلنے کا اس شخص نے حکم دیا تھا اور فتح وغلبہ پاتے ،تو کوئی کہنے والا یہ کہتا کہ یہ اسی وقت میں چلے تھے،جس میں چلنے کا نجومی نے حکم دیا تھا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی نجومی نہیں تھا اور نہ اب تک ہمارا کوئی نجومی ہے؛ مگر اللہ نے ہمارے لیے کسریٰ اور قیصر کے شہروں اور دیگر ممالک کو فتح کرا دیا، پس تم اللہ پر توکل کرو اور اسی پر اعتماد کرو، کہ وہی اپنے ماسوا سے ہمارے لیے کافی ہے۔ (مسند الحارث: ۶۰۱/۲، کنز العمال: ۲۳۵/۵)

یہ ہے توکل علی اللہ، جو انسان کو معرفت خداوندی کے نتیجے میں حاصل ہوتا ہے،جس سے انسان یہ سمجھتا ہے کہ میرا پروردگار میرا کارساز حقیقی ہے، مجھے کسی فکر کی ضرورت نہیں۔

## حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بے مثال سخاوت

ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے یہاں فاقہ تھا، کھانے کو کوئی چیز میسر نہیں تھی، آپ نے اس موقعے پر ایک رات کسی کے باغ کو پانی سینچ کر ڈالنے کی مزدوری کی اور اس کام پر صبح کو باغ والے نے کچھ ''جو'' دیے، آپ اس کو لے کر آئے اور گھر میں اس ''جو'' کے تین حصے بنا کر ایک حصہ چکی میں پسوایا اور اس سے ''خزیرہ'' نام کا ایک کھانا پکایا گیا اور کھانے کے لیے بیٹھے، تو ایک مسکین آیا اور دستک دی کہ اللہ کے نام پر کچھ دے دو، آپ نے اور گھر کے افراد نے وہ سارا کھانا فقیر کو دے دیا، پھر باقی آٹے میں سے کچھ نکال کر پکایا اور کھانے بیٹھے، تو ایک یتیم آیا کہ اللہ کے نام پر کچھ دے دو، آپ نے یہ کھانا بھی اللہ کے نام پر اس یتیم کو دے دیا اور آٹے کے آخری بچے ہوئے حصہ کو لے کر اس کو پکایا اور کھانے بیٹھے، تو ایک قیدی آیا اور سوال کیا، آپ نے یہ بھی اللہ کے نام پر دے دیا۔ اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی:

وَ یُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ مِسْكِیْنًا وَّ یَتِیْمًا وَّ أَسِیْرًا ۔ (الانسان:۸)

وہ اللہ کی محبت میں مسکین ویتیم وقیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔ (أسباب النزول لواحدي:۴۰۷)

یہ اللہ کا کرم ہی ہوتا ہے کہ کوئی سخاوت کا کام کیا کرے اور یہ کرم حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہ پر اللہ کا بے حد تھا؛ اس لیے وہ حضرات حیرت انگیز قسم کی سخاوت بھی کرتے تھے۔ جس کا ایک نمونہ یہ ہے۔

## حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک لاکھ اسی ہزار کی سخاوت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کی خدمت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دو بوریوں میں ایک لاکھ اسی ہزار درہم بھیجے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک طباق منگوایا اور یہ ساری رقم لوگوں میں تقسیم کرنا شروع کر دیا، جب شام ہوئی تو اپنی باندی سے

فرمایا کہ میری افطاری لاؤ، باندی نے ایک روٹی اور زیتون کا تیل پیش کیا، حضرت عائشہ کی ایک خادمہ ''ام درہ'' تھیں۔ انھوں نے عرض کیا کہ کیا آپ نے جو مال تقسیم کیا، اس میں ایک درہم کا گوشت ہمارے لیے نہیں خریدا جا سکتا تھا، جس سے ہم لوگ افطار کرتے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اگر تم نے مجھے یاد دلایا ہوتا تو میں خرید لیتی۔

یہ حیرت انگیز قسم کی سخاوت ہے کہ خود تو یاد نہیں رہے اور ساری دنیا پر لٹا دیا اور رقم بھی کوئی معمولی نہیں؛ بل کہ ایک لاکھ اسی ہزار درہم! کیا ٹھکانہ ہے اس سخاوت کا!

## حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حرام سے پرہیز

''بنو ثقیف'' کے ایک شخص کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفے کے ایک گاؤں ''عکبری'' کا گورنر بنایا، وہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ نے مجھے حکم دیا کہ ظہر کی نماز میرے پاس پڑھو، میں حاضر ہوا اور کسی نے مجھے آپ تک جانے سے نہیں روکا، آپ کے پاس پانی کا ایک کوزہ اور ایک پیالہ رکھا تھا، آپ نے شیشے کے برتن سے ستو نکال کر پیا، وہ شخص کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا امیر المؤمنین! کیا ''عراق'' میں اس طرح کیا جاتا ہے؟ جب کہ عراق میں کھانے کی بڑی فراوانی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے کنجوسی کی وجہ سے ایسا نہیں کیا ہے؛ بل کہ میں پیٹ میں حلال چیز کے علاوہ کسی چیز کو داخل کرنا مکروہ سمجھتا ہوں۔ (الورع:۷۵)

یہ واقعات بتاتے ہیں کہ حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہ نہ صرف حرام سے؛ بل کہ مشتبہ چیزوں سے بھی کس قدر احتیاط برتتے تھے اور اس کا ان حضرات کو کتنا اہتمام تھا۔

## حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی ایجادات

''کتاب الاوائل'' میں ہے کہ حضرت عثمانؓ نے سب سے پہلے لوگوں کیلئے جاگیریں مقرر

فرمائیں۔آپ نے جانوروں کیلئے چراگاہیں قائم کیں آپ ہی نے حکم دیا کہ تکبیر میں آواز تھوڑی نیچی رکھیں۔(اذان کی طرح آواز بلند نہ ہو) جمعے کے دن اذان اول دینے کا حکم صادر فرمایا۔ائمہ مساجد کی تنخواہیں مقرر فرمائیں۔سب سے پہلے آپ ہی وہ فرد ہیں جو اپنی والدہ کی حیات میں خلیفہ منتخب ہوئے،آپ ہی نے سب سے پہلے محکمہ پولیس کے عہدیدار مقرر فرمائے۔مسجد نبویؐ میں عبادت گزاروں،اعتکاف کرنے والوں،مسافروں اور مساکین وغیرہ کیلئے عام دسترخوان بچھایا۔ ملک کے مختلف حصوں میں کنویں کھدوائے،جس سے زراعت میں بھی اضافہ ہوا،مدینہ منورہ اور دوسرے کئی مقامات کوسیلاب سے محفوظ رکھنے کیلئے آپ نے بند بنوائے چنانچہ مدینے سے سیلاب کا رخ موڑنے کیلئے بیر مدری کے قریب ایک بند بنوایا مسافروں کی آسائش کیلئے مختلف قسم کی سرائیں اور چوکیاں بنوائیں ایک باغ جو جنت البقیع کے مشرقی جانب واقع تھا آپ نے اسے خرید کر جنت البقیع کے قبرستان میں شامل کردیا،مسجد الحرام کی توسیع فرمائی اور اردگرد کے مکانات خرید کرانہیں مسجد میں شامل کیا۔آپ نے محکمہ قضا کو بھی کافی ترقی دی جس سے لوگوں کو حصول انصاف میں آسانی ہوئی آپ کے عہد خلافت میں چیف جسٹس (قاضی القضاۃ) سیدنا زید بن ثابتؓ تھے۔

## حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی حضور سے محبت

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ حضرت عثمان غنی کے گھر جارہے تھے،تو حضرت عثمانؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم گننے لگے کہ میرے گھر تک کتنے قدم پڑرہے ہیں،صحابہ کرامؓ نے دیکھ لیا اور حضور سے بتادیا،تو آپ نے پوچھا اے عثمان! یہ کیا کررہے ہو؟ تو حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ یارسول اللہ میں آپ کے قدم مبارک کے نشانات شمار کررہا ہوں کہ میرے گھر تک حضور کے کتنے قدم ہوتے ہیں، جتنے قدم ہوں

گے، اتنے ہی غلام آزاد کروں گا، اگر آپ کے پچاس قدم ہیں تو پچاس غلام آزاد کروں گا، آزاد کرنے کا مطلب یعنی جوان کے دام ہیں، ان کو خرید کر ان کی قیمت ادا کردوں گا، اور اس زمانے میں غلام ہوتے تھے اور ان کی قیمت درہم اور دینار ہوتی تھی یعنی آج کی قیمت میں لاکھوں روپیہ، یہ کیا چیز کہلوا رہی ہے محبت، جب محبت ہوجاتی ہے تو ایسا ہی جذبہ انسان کے اندر پیدا ہوجاتا ہے، ترتیب وار میں اس لیے بتا رہا ہوں کہ تھوڑی تھوڑی بات چند جلیل القدر صحابہ کے بارے میں ہوجاوے تاکہ ہمارے دلوں میں بھی محبت کی کوئی چنگاری جل جائے اور ہمیں بھی اس کے نتیجے میں محبت نبی کا کچھ نہ کچھ ذرہ حاصل ہوجائے اور ہماری آخرت سنور جائے اور ہم بھی اپنی محبت کے دعوی میں کچھ کامیاب ہوجائیں، اللہ تعالی ہمیں اپنے رسول کی صحیح اور حقیقی محبت عطا فرمائے، آمین۔

## حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی حالت

حقیقت تو یہ کہ قبر جگہ ہی ایسی ہے کہ اس کے تصور ہی سے مومن کے رونگٹے کھرے ہوجاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب قبر پر کھڑے ہوتے تو اتنا روتے کہ آپ کی داڑھی تر ہوجاتی۔ان سے دریافت کیا گیا کہ جب جنت اور دوزخ کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو آپ اتنا نہیں روتے جتنا قبر پر کھڑے ہوکر روتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: میں نے رسول اللہ سے سنا، آپ فرماتے تھے: اِنَّ الْقَبْرَ اَوَّلُ مَنَازِلُ الْاٰخِرَةِ فَاِنْ نَجَامِنْهُ اَجِدُ فَمَا بَعْدَهٗ اَيْسَرَ مِنْهُ وَاِنْ لَّمْ يَنَجْ مِنْهُ فَمَا بَعْدَهٗ اَشَدُّ مِّنْهُ (صحیح ترمذی)

''بے شک قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے۔اگر انسان اس میں نجات پا گیا تو بعد میں آنے والی منزلیں اس سے زیادہ آسان ہوں گی۔اور اگر وہ اس میں نجات نہ پا سکا تو بعد میں آنے والی منزلیں اس سے زیادہ سخت ہوں گی''۔

# حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت

پھر ایک دوسرا آدمی تلوار لہراتا ہوا آیا تو نائلہ رضی اللہ عنہا اس کے سامنے آگئیں تاکہ اسے روکیں اور اس کی تلوار پکڑ لی تو اس شخص نے کھینچی تو ان کی انگلیاں کٹ کر ہاتھ سے الگ ہوگئیں پھر اس نے ان کے شوہر عثمان رضی اللہ عنہ پر وار کیا جو ان کے جسم میں گھس گیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مظلوم شہید ہوگئے۔ یہ واقعہ جمعہ کے دن چاشت کے وقت پیش آیا اور ہنگامہ کی وجہ سے لوگ انہیں دن میں دفن نہ کر سکے۔

قرآن کریم نے قابیل وہابیل کے واقعہ کو ذکر کیا جس میں ایک ظالم تھا ایک مظلوم، جب ظالم قابیل نے اپنے مظلوم بھائی ہابیل کے قتل کی ٹھان لی تو ہابیل نے کہا کہ اگر تو مجھے قتل کرنے کیلئے دست درازی کرے گا تو میں تجھے قتل کرنے کیلئے دست درازی نہیں کروں گا۔جس کو قرآن نے ان الفاظ سے بیان کیا ''لَئِنۡ بَسَطۡتَّ اِلَیَّ یَدَكَ لِتَقۡتُلَنِیۡ مَاۤ اَنَاۡ بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیۡكَ لِاَقۡتُلَكَ اِنِّیۡۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الۡعٰلَمِیۡنَ۔''

ایوب سجستانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امت محمدیہ میں جس شخص نے سب سے پہلے اس آیت پر عمل کر کے دکھایا وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں۔جنہوں نے اپنا گلا تو کٹوالیا لیکن اپنی رضا سے کسی کی انگلی نہ کٹنے دی۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت انتہائی مظلومانہ حالت میں ہوئی کہ جسے سن کر پتھر جیسا کلیجہ موم ہوجائے کہ اتنا بڑا خلیفہ اتنی خوبیوں کا حامل مال ودولت کا یہ عالم وفات کے وقت (جائداد چھوڑ کر) پینتیس لاکھ درہم اور ڈیڑھ لاکھ دینار کے آپ مالک تھے لیکن ظالموں نے اس کنویں میں سے جس کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے خرید کر مسلمانوں کیلئے وقف کیا ایک گھونٹ پانی نہ پینے دیا اور کھارا پانی پینے پر مجبور کردیا۔

## حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قبر کے خوف سے رونا

اسی لیے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کسی قبر کو جب دیکھتے، قبر پر کھڑے ہوتے، تو بہت رویا کرتے تھے، حتی کہ آپ کی ڈاڑھی تر ہو جاتی، لوگوں نے ان سے پوچھا کہ آپ جنت و دوزخ کے ذکر پر اس قدر نہیں روتے، جتنا کہ قبر کو دیکھ کر روتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں! اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ قبر آخرت کی پہلی منزل ہے، جو یہاں کامیاب ہو گیا اس کے لیے اگلی منزلیں اس سے زیادہ آسان ہوں گی اور جو اس سے نجات نہیں پایا اس کے لیے اس کے بعد کی منزلیں اور زیادہ مشکل ہوں گی؛ نیز فرمایا کہ **ما رأیتُ منظرًا قطُّ إلّا والقبر أفظع منه**'' (میں نے قبر سے زیادہ بھیانک کوئی منظر نہیں دیکھا)۔

(ترمذی: ۲۳۰۸، ابن ماجہ: ۴۲۶۷، مسند أحمد: ۴۵۴، مستدرک حاکم: ۱/۵۳۶)

بہر حال! قبر ایک بھیانک جگہ ہے، اگر اس کو ایمان و عمل سے تیار نہ کیا گیا، اسی تیاری کے لیے ہمیں یہ دنیا دی گئی ہے، دنیا عیش و عشرت کے لیے نہیں ہے، بل کہ ایک عبرت کا مقام ہے اور یہ حقیقت قبر میں جا کر کھلے گی، مولانا حکیم اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک شعر میں دنیا کی حقیقت بیان کی ہے، ان کا شعر ہے ؎

یوں تو دنیا دیکھنے میں کس قدر خوش رنگ تھی
قبر میں جاتے ہی دنیا کی حقیقت کھل گئی

یہاں سے لوگ جب جائیں گے، تو معلوم ہو جائے گا کہ دنیا کی حقیقت کیا ہے؟ دنیا خاک نظر آئے گی۔

## افلاطون کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات

مجھے اس پر ایک قصہ یاد آ گیا، بڑا عجیب و غریب قصہ ہے اور یہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

نے بیان فرمایا ہے کہ افلاطون جو بہت بڑا حکیم اور اپنے زمانے کے بڑے عقلمند لوگوں میں شمار ہوتا ہے اور وقت کا بہت بڑا فلسفی تھا اور اس کی تحقیقات دنیا میں آج بھی معتبر و مستند مانی جاتی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا تھا، اس کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ جنگل میں ایک معمولی جھونپڑے میں رہتا تھا، لوگوں سے میل ملاپ نہیں رکھتا تھا، اگر کسی کو اس سے ملنا ہوتا، تو پہلے سے اجازت لینی پڑتی تھی، وہ اللہ کو تو مانتا تھا مگر رسولوں کو نہیں مانتا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک دفعہ اس کی ملاقات بھی ہوئی تھی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے کہا کہ میں اللہ کا نبی ہوں میرے اوپر ایمان لاؤ۔ تو اس نے کہا کہ میرا ایک سوال ہے، وہ یہ کہ فرض کیجیے کہ اللہ تعالیٰ تیر پھینک رہا ہے اور بندوں کی جانب پھینک رہا ہے اور بندے اس کا نشانہ ہیں اور اللہ کے تیر یہ مصیبتیں اور پریشانیاں، بیماریاں و حادثات ہیں، اگر بندے اللہ تعالیٰ کے ان تیروں سے بچنا چاہیں تو کیا طریقہ ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے سوال پر فی البدیہ جواب دیا کہ تیر پھینکنے والے کی بغل میں بیٹھ جاؤ، اس لیے کہ تیر پھینکنے والا تو سامنے تیر پھینکے گا، اپنی بغل میں نہیں پھینکے گا۔ مطلب یہ تھا کہ اللہ کے قریب ہو جاؤ، جو اللہ کے قریب ہو جائے گا اُسے تیر کیسے لگے گا؟ اور جو دور رہے گا ظاہر ہے کہ اسے تیر لگے گا۔ جب یہ جواب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیا تو وہ خوشی سے اچھل پڑا اور کہنے لگا کہ ایسا فی البدیہ جواب تو شاید دنیا میں کوئی دے نہ سکے اور کہا کہ واقعی آپ اللہ کے نبی ہیں، میں مانتا ہوں؛ لیکن آپ جاہلوں کے لیے ہیں، آپ کی مجھے ضرورت نہیں؛ کیوں کہ میں تو بڑا عقلمند اور فلسفی ہوں۔

## دنیا کی حقیقت-افلاطون کی نظر میں

الغرض! ایک مرتبہ اس زمانے کا بادشاہ اپنے کچھ لوگوں کے ساتھ اس سے ملنے جنگل

گیا، ملاقات ہوگئی اور بادشاہ نے سوال کیا کہ آپ یہاں جنگل میں رہتے ہیں، مگر یہاں آپ کے پاس کھانے اور پینے کی کوئی چیز بھی بظاہر نظر نہیں آتی ، یہ کہتے ہوئے بادشاہ نے کچھ جملے ایسے استعمال کیے جس سے ایسا لگتا تھا کہ وہ اس کی حقارت کر رہا ہے۔ افلاطون کو یہ بات ناگوار گزری کہ دنیا کو یہ بہت کچھ سمجھتا ہے اور ہماری یہ حالت دیکھ کر ہم کو حقیر سمجھ رہا ہے، اس لیے افلاطون نے بادشاہ کو کچھ سبق پڑھانا چاہا؛ اس لیے افلاطون نے بادشاہ کے رخصت ہونے کے موقعے پر اس سے کہا کہ جناب ! میری ایک گزارش ہے ، وہ یہ کہ فلاں وقت آپ ہمارے یہاں تشریف لائیں میں آپ کی دعوت کرنا چاہتا ہوں اور صرف آپ کی نہیں آپ کے تمام وزرا کی ، ارکان دولت کی اور آپ کے مشیروں کی اور آپ کے فوجیوں کی، سب کی دعوت ہے۔

اس کی بات کا بادشاہ انکار بھی نہیں کرسکتا تھا؛ اس لیے اس نے افلاطون کی دعوت قبول کر لیا۔ اب جب وہ دعوت کا وقت آیا، تو اپنے پورے لشکریوں کے ساتھ، اپنے وزرا کے ساتھ، ارکان دولت کے ساتھ بادشاہ اس جنگل کی طرف چلنے لگا، جنگل کے قریب پہنچے، تو دور ہی سے سب کو نظر آ رہا تھا کہ یہاں سے وہاں تک عظیم الشان قسم کی بلڈنگیں ہیں ، راستے بنے نظر آ رہے ہیں ، بہترین انتظامات نظر آ رہے ہیں، جنگل میں منگل ہوگیا ہے، یہ دیکھ کر سب لوگ حیران رہ گئے کہ چند دنوں کے اندر اتنی بلڈنگیں یہاں کس نے بنادی ہیں، یہ راستے کس نے بنادیے ہیں، اتنا بہترین انتظام کس نے یہاں کر دیا ہے۔ خیر! اب جو وہاں پہنچے، تو افلاطون کے لوگ وہاں استقبال کے لیے موجود تھے، لوگوں نے ان کا استقبال کیا اور لے جا کر ہر ایک کو اپنے اپنے مقام پر پہنچا دیا، دیکھا تو بادشاہ کے لیے مخصوص عمارت تھی، وزیروں اور مشیروں کے لیے الگ انتظام تھا ؛ جب کھانے کا وقت آیا تو بہترین قسم کے کھانے پیش کیے گئے، سب نے کھانا کھایا اور خوب سیراب ہوئے اور جب رات کا وقت آیا تو سب لوگ آرام کرنے اپنی اپنی بلڈنگوں میں پہنچ گئے

اور سو گئے؛ لیکن صبح اٹھے، تو دیکھتے ہیں کہ جنگل میں نہ کوئی بلڈنگ ہے، نہ کوئی راستہ ہے اور نہ کوئی بچھونا ہے نہ اوڑھنا، کچھ بھی نہیں ہے، بالکل صاف جنگل ہے، سب کے سب جنگل میں نیچے پڑے ہوئے ہیں، اُدھر بادشاہ بھی نیچے پڑا ہوا ہے، اور اس کے وزیر بھی نیچے پڑے ہوئے ہیں، یہ دیکھ کر سب پریشان بھی ہوئے اور غصہ بھی ہوئے۔

افلاطون نے کہا کہ جو کچھ تم نے دیکھا تھا وہ دراصل میرے خیال کا نتیجہ تھا، قوتِ خیالیہ کا کرشمہ تھا، قوت خیالیہ سے آپ کے ذہنوں میں میں نے یہ بلڈنگیں ڈال دیں، یہ عجیب وغریب تماشہ آپ کو دکھادیا، حقیقت میں کچھ نہیں تھا، میں نے تم کو یہ بتانا چاہا کہ جب تم آخرت میں جاؤ گے، تو یہ دنیا کی زیب وزینت، بلڈنگیں وعمارتیں جسے تم سب کچھ سمجھتے ہو، اسی طرح محض ایک خیالی صورتیں نظر آئیں گی۔

## امام ابو یوسفؒ نے ہارون رشید کے خلاف فیصلہ دیا

امام ابو یوسفؒ نے ایک فیصلہ ہارون رشید کے خلاف بھی دیا تھا۔ مگر اس میں ان سے ذرا سی غلطی ہوگئی تھی جس کا ان کو زندگی بھر افسوس رہا۔ واقعہ یہ ہے کہ سوادعراق کے ایک بوڑھے نے ہارون رشید کے خلاف یہ دعویٰ دائر کیا کہ فلاں باغ میرا ہے لیکن خلیفہ نے اس پر غاصبانہ قبضہ کرلیا ہے۔ اتفاق سے یہ مقدمہ اس روز پیش ہوا جس روز خود ہارون رشید فیصلے کے لئے بیٹھا تھا۔ قاضی ابو یوسفؒ فریقین کے بیانات اور ان کے دعوے ہارون رشید کے سامنے پیش کررہے تھے۔ جب اس مقدمہ کی باری آئی تو انہوں نے خلیفہ کے سامنے اس کو پیش کیا اور کہا کہ آپ کے اوپر دعویٰ ہے کہ آپ نے فلاں آدمی کا باغ زبردستی لے لیا ہے، مدعی یہاں موجود ہے، حکم ہو تو حاضر کیا جائے۔ بوڑھا سامنے آیا تو قاضی ابو یوسفؒ نے پوچھا بڑے میاں آپ کا دعویٰ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ

میرے باغ پر امیر المومنین نے ناحق قبضہ کرلیا ہے جس کے خلاف دادرسی چاہتا ہوں۔ قاضی نے سوال کیا اس وقت وہ باغ کس کے قبضہ اور نگرانی میں ہے؟ بولا امیر المومنین کے ذاتی قبضہ میں ہے۔ اب قاضی ابو یوسفؒ نے ہارون رشید سے کہا میرے قبضہ میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس میں اس شخص کا حق ہو، نہ خود باغ ہی میں اس کا کوئی حق ہے۔ قاضی صاحبؒ نے فریقین کے بیانات سننے کے بعد مدعی سے پوچھا کہ تمہارے دعوے کے ثبوت کیلئے کوئی دلیل بھی ہے؟ کہا ہاں خود امیر المومنین سے قسم لے لی جائے۔ ہارون رشید نے قسم کھا کر کہا کہ یہ باغ میرے والد مہدی نے مجھے عطا کیا تھا، میں اس کا مالک ہوں۔ بوڑھے نے یہ سنا تو اس کو بہت غصہ آیا اور یہ بڑبڑاتا ہوا عدالت سے نکل گیا کہ جس طرح کوئی شخص آسانی سے ستو گھول کر پی جائے، اسی طرح اس شخص نے آسانی سے قسم کھالی ایک معمولی آدمی کی زبان سے یہ الفاظ سنکر ہارون رشید کا چہرہ غصہ سے تمتما اٹھا۔ یحیٰ برمکیؒ نے ہارون کو خوش کرنے کے لئے امام یوسفؒ سے مخاطب ہوکر کہا آپ نے دیکھا اس عدل واحسان کی نظیر دنیا میں مل سکتی ہے؟ امام ابو یوسفؒ نے اس کی تحسین کی اور کہا مگر انصاف کے بغیر کوئی چارہ بھی تو نہیں تھا۔ مذکورہ بالا معاملہ میں امام ابو یوسفؒ نے انصاف کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، مگر پھر بھی آخر وقت تک ان کو جب اس واقعہ کا خیال آجاتا تو فرماتے تھے میں اپنے اندر سخت کوفت، اذیت، رنج محسوس کرتا ہوں اور ڈرتا ہوں کہ میں نے انصاف میں جو کوتاہی کی ہے اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا کیا جواب دوں گا، لوگوں نے پوچھا آپ نے انصاف میں کیا کوتاہی کی، اور آپ اس سے زیادہ کر بھی کیا سکتے تھے کہ ایک معمولی کسان کے مقابلہ میں وقت کے سب سے بڑے بادشاہ کو قسم کھانے پر مجبور کردیا؟ فرمایا تم لوگوں نے نہیں سمجھا کہ مجھے کس خیال سے تکلیف ہوتی ہے، پھر افسوس کے لہجہ میں فرمایا کہ مجھے تکلیف اور کڑھن اس کی ہے کہ میں ہارون رشید سے یہ نہ کہہ سکا کہ آپ کرسی سے اتر جایئے جہاں آپ کا فریق کھڑا ہے وہیں ایک

فریق کی حیثیت سے آپ بھی کھڑے ہو جایئے یا پھر اجازت دیجئے کہ اس کیلئے بھی کرسی لائی جائے۔ (علماء احناف کے حیرت انگیز واقعات)

## ہارون رشید کو نصیحت

ایک بار بیت المال میں سلاطین کے اسراف کا تذکرہ تھا فرمانے لگے کہ ہارون رشید عالم تھا اور حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا شاگرد تھا جب تخت پر بیٹھا تو اس نے علماء صلحاء پر بہت کچھ خرچ کیا حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ اس کے پاس تشریف نہ لے گئے ہارون رشید نے عریضہ لکھا کہ ''میں نے علماء و صلحاء پر زر کثیر صرف کیا حضرت تشریف نہیں لائے اگر تکلیف فرماتے تو بندہ کی عزت افزائی کا سبب تھا'' قاصد عریضہ سلطانی لیکر حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہونچا اس وقت حضرتؒ حلقۂ درس میں مصروف تھے دیکھتے ہی فرمایا ''خدا خیر کرے ظالم کا قاصد آیا'' قاصد نے عریضہ پیش کیا حضرت نے رومال سے پکڑ کر شاگرد کے حوالہ کیا کہ پڑھ کر سناویں اور فرمایا ''میں ظالم کے خط کو ہاتھ لگانا نہیں چاہتا'' شاگرد نے عریضہ پڑھ کر سنایا فرمایا میں ظالم کو کاغذ دینا بھی نہیں چاہتا اسی کی پشت پر جواب لکھدو اور لکھو'' تمہارے ظلم کی اطلاع پہونچی اور تم نے بذریعہ تحریر اپنی حرکت ظلم کا اقرار بھی کیا اور مجھے گواہ بھی بنالیا پس یاد رکھنا میں قیامت کے دن تمہارے ظلم کی گواہی دوں گا اور تم کو اس کے معاوضہ میں عذاب بھگتنا پڑے گا۔

''بھلا تمہیں بیت المال میں کیا حق تھا کہ اس کو لٹانے لگے'' کاتب نے جواب لکھ کر پرچہ قاصد کے ہاتھ دیا کہ جاؤ لے جاؤ قاصد پر حضرت سفیانؒ کی اس تقریر کا اتنا اثر ہوا کہ عرض کرنے لگا مجھے تو اپنی خدمت میں حاضر رہنے کی اجازت دیجئے حضرت نے فرمایا ''ہمارا کام یہ نہیں ہے کہ قاصد کو روک لیں جاؤ اول جواب پہونچا آؤ اس کے بعد اگر دل چاہئے اور طلب و

تمنا ہوتو چلے آنا'' قاصد وہاں سے اٹھا اور بازار میں کھڑا ہو کر پکارا'' کوئی ہے جو میری پوشاک کو اپنے مفلسانہ لباس کے بدلے خرید لے''۔

غرض دوسو روپیہ کا قیمتی جوڑا دو روپیہ قیمت کے کپڑوں سے بدل کر ہارون رشید کا خط اس کے حوالہ کیا کہ پہونچاؤ اور خود حضرت سفیان ثوریؒ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ ہارون رشید نے نامہ شریف پڑھ کر رو دیا اور کہا فاز المرسل خاب المرسل اس کے بعد حکم دیا کہ جب میں تخت پر بیٹھا کروں ہمیشہ یہ کرامت نامہ میرے روبرو رکھا جایا کرے۔

## ہارون رشید نے عالم دین کا اکرام کیا

ہارون رشید کے دربار میں کوئی عالم تشریف لاتے تو بادشاہ ان کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جاتا۔ درباریوں نے کہا کہ اس طرح سلطنت کا رعب جاتا رہتا ہے۔ تو اس نے جواب دیا کہ اگر علماء دین کی تعظیم سے رعب سلطنت جاتا ہے تو جانے ہی کے قابل ہے۔ ایک دفعہ ہارون الرشید نے ایک نابینا عالم کی دعوت کی اور خود ان کے ہاتھ دھلانے لگا۔ اس دوران میں عالم صاحب سے پوچھا، آپ کو معلوم ہے کہ کون آپ کے ہاتھوں پر پانی ڈال رہا ہے۔ عالم نے نفی میں جواب دیا۔ اس پر ہارون الرشید نے جواب دیا میں نے یہ خدمت خود انجام دی ہے۔ اس پر عالم دین نے کسی ممنونیت کا اظہار نہیں کیا بلکہ جواب دیا کہ ہاں آپ نے علم کی عزت کے لئے ایسا کیا ہے۔ اس نے جواب دیا بے شک یہی بات ہے۔

ہارون الرشید نے اپنے بیٹے مامون کو علم و ادب کی تعظیم کے لئے امام اصمعی کے سپرد کر دیا تھا۔ ایک دن ہارون اتفاقاً اس کے پاس جا پہنچا دیکھا کہ اصمعی اپنے پاؤں دھو رہے ہیں اور شہزادہ پاؤں پر پانی ڈال رہا ہے۔ ہارون الرشید نے برہمی سے کہا: میں نے تو اسے آپ کے پاس اس

لئے بھیجا تھا کہ آپ اس کو ادب سکھائیں گے آپ نے شہزادے کو یہ حکم کیوں نہیں دیا کہ ایک ہاتھ سے پانی ڈالے اور دوسرے ہاتھ سے آپ کے پاؤں دھوئے۔

حضرت یوسف بن حسین رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ادب سے علم سمجھ میں آتا ہے اور علم سے عمل کی تصحیح ہوتی ہے اور عمل سے حکمت حاصل ہوتی ہے۔ (آداب المعلمین، ص:۱۰)

اصمعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول مشہور ہے: جو شخص علم حاصل کرنے میں ایک لمحہ کی ذلت برداشت نہ کر سکے، وہ پھر ساری عمر جہالت کی ذلت میں زندگی گزار دیتا ہے۔

## حسنِ سلوک اور ہارون رشید کا واقعہ

اپنے اور اپنے ماں باپ کے رشتہ داروں سے نیک برتاو رکھو، انکی راحت و تکلیف میں شریک رہو، ان کی خوشی اپنی خوشی، ان کا غم اپنا غم سمجھو، کھلے چھپے ان کی مدد کرو، ہر ایک سے نیکی کرو اللہ تمہارے ساتھ بھی اپنا فضل و کرم کرے گا، یہ غلط ہے" نیکی برباد گناہ لازم کیا تم نے کلام مجید میں نہیں دیکھا: هَلْ جَزَآءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ نیکی کا بدلہ نیکی ہے" مگر جب کہ اس میں ریا نہ ہو۔ ریا سے بچو، کسی کی کم حیثیت پر ہنسو نہیں، کسی کا دل نہ توڑو، کسی کا دل نہ دکھاؤ۔ کسی کی اگر مہمان ہو تو اسکے کھانے کی برائی نہ کرو، اگرچہ بے نمک کی دال ہی ہو، اسے نعمت سمجھ کر کھاؤ، کھاتے وقت منہ نہ بناؤ، کھا کر نام دھرنا بڑا عیب ہے۔ معلوم نہیں کس شوق میں اس نے پکایا ہو، اس کا احسان مانو اور شکریہ ادا کرو۔

خلیفہ ہارون رشید کا قصہ ہے کہ ایک اعرابی پیاس کی شدت سے ایک نہر پر پہونچا اور پانی پیا، اسے مزیدار سمجھ کر مشک میں بھر لیا کہ ہارون رشید کی خدمت میں پیش کرونگا اور بہت سا انعام پاؤں گا۔ یہ سوچ کر بادشاہ کی خدمت میں لایا، وہ دربار میں تھے، دیکھتے ہی دیکھتے ساری حقیقت سمجھ گئے کسی وزیر سے کہا اسے رکھ لو، میں خود پیوں گا، دوسرا نہ پئے۔ بادشاہ بہت رحم دل تھے، یہ سمجھے کہ

دوسرا آدمی چکھ کر اسے کچھ کہہ دیگا تو اسے ملال ہوگا اور اسے بہت سا انعام دے کر رخصت کیا۔

کسی کی چیز کو برا کہہ دینے سے دل ٹوٹ جاتا ہے، کسی دوسرے کے گھر میں اپنی حکومت نہ جتاؤ، اور نہ خود سے انتظام میں لگ جاؤ بیجا گلہ شکایت نہ کرو کہ دل ٹوٹ جائے، لڑکوں کی لڑائی کو جھگڑوں میں نہ بدلو، نوکروں کہ کہنے سننے میں نہ آؤ، اس سے نااتفاقی پیدا ہوجاتی ہے پھر لڑائی کا سامان ہوجاتا ہے، بروقت ایسا روک دو کہ پھر وہ کہنے کا موقع نہ پائیں، خود سن کر ٹال دو، زیادہ جھگڑے سے بھی نقصان ہے۔ جو چیز تمہیں مل جائے وہ ہزار میں اچھی سمجھو، شاید تمہارے حق میں یہی بہتر ہو، کسی سے حسد نہ کرو حسد والا کبھی پھولتا پھلتا نہیں ہے، اللہ جس کو دینا چاہتا ہے ضرور دیتا ہے، تمہارے حسد کرنے سے روک نہ لے گا، حسد کرنے والا ذلیل ہوتا ہے، یہ مرض لاعلاج ہے، اگر علاج ہے تو یہ ہے کہ جس کسی کے نفع سے تمہیں تکلیف یا نقصان پہونچتا ہو اس کو نفع پہونچانے کی کوشش کرو اور دعا کرو کہ خدایا اسے وہ چیز دے جو مجھ سے بہتر ہو، اگر تم سے زیادہ کوئی خوبی اس میں ہو تو نہایت خوشی سے اس کی تعریف دوسروں سے کرو، چار دن میں پھر یہ مرض تم اپنے اندر نہ پاؤ گے۔ حرص سے پرہیز کرو۔ زنگ جیسے برتن کو کھالیتا ہے، اسی طرح حرص ایمان کو، اپنے سے کمتر کو دیکھو، پھر تمہیں اللہ سے شکایت نہ ہوگی جو اللہ نے دیا ہے اس پر شاکر رہو، جس سے ملو سچے دل سے ملو، ہر موقع پر دوست رکھو، اللہ سے ڈرو، سب اسی کے بندے ہیں، جسے چاہے عزت دے، جسے چاہے ذلت، بلکہ اگر تم مقدور رکھتے ہو تو اس وقت دوسروں کی مدد کرو، اللہ تمہاری بھی مدد کرے گا، بے کسوں پر رحم کرو، اللہ تم پر رحم کرے گا۔

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر

خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

## ہارون رشید کا واقعہ

بادشاہ کسی کو یہ کہہ دے کہ تو میرا ہے یہ سب سے بڑا اعزاز ہے ہارون رشید کا واقعہ ہے کہ اس کے دربار میں بہت سی باندیاں تھی ایک باندی معمولی شکل وصورت کی تھی بڑی بڑی حسینائیں اور جمیلائیں بادشاہ کے حرم میں تھی اسکے باوجود بادشاہ اس سے محبت کرتا تھا یہ بات محل میں گردش کرنے لگی کہ بادشاہ ایک ایسی باندی سے محبت کرتے ہیں جو دوسری باندیوں کے مقابلہ میں کمتر ہے یہ بات گردش کرتے کرتے بادشاہ کو بھی پہونچی ہارون رشید بنوعباس کے ایک عظیم الشان خلیفہ تھے بڑے اللہ والے علماء صلحا اور بزرگوں سے خاص رابطہ تھا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے ان کی اولاد میں تھے بادشاہ نے اپنا دربار سجایا، محل سجایا، سب باندیوں کو بلایا، سب حاضر ہوگئیں بادشاہ نے کہا کہ آج ہم بہت خوش ہیں آپ لوگوں کو ہم نوازنا چاہتے ہیں آپ جو بھی چاہیں مانگیں انشاء اللہ ہم آپ کو وہی دیں گے کسی باندی نے جواہرات طلب کئے، کسی نے سونا چاندی طلب کیا، کسی نے جائداد طلب کی، جو جس کی خواہش تھی سب نے مانگا۔ لیکن وہ باندی جس سے بادشاہ محبت کرتا تھا وہ خاموش تھی۔ آخر میں بادشاہ نے کہا کہ تم بھی تو کہو تمہیں کیا چاہیے تو کھڑی ہوگئی اور بادشاہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ حضور مجھے تو آپ کی ضرورت ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ دیکھو تمہارے پاس حسن و جمال تو ہے جو ایک عورت کے پاس ہونا چاہیے لیکن وہ محبت نہیں ہے جس کی ہارون رشید کو ضرورت ہے۔ وہ اسی لونڈی اور باندی کے پاس ہے اس کی محبت کی وجہ سے میں مجبور ہوں کہ تم سب کے مقابلہ میں اس سے محبت کروں۔

## اپنی قبر کو دیکھ کر ہارون رشید رحمہ اللہ نے کہا

جس وقت خلیفۂ وقت ہارون رشید رحمہ اللہ بیماری میں مبتلا ہوئے، تمام اطباء آپ کی شفا

یابی سے مایوس ہو گئے اور آپ کو اپنی وفات کا وقت قریب معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ میرے لئے کفن لے کر آؤ چنانچہ آپ کے لئے کفن لایا گیا پھر آپ نے فرمایا کہ میری قبر بھی تیار کرو آپ کے لئے قبر کھود دی گئی تو آپ نے اپنی قبر کو دیکھ کر یہ آیات کریمہ تلاوت فرمائی

مَآ اَغْنٰى عَنِّىْ مَالِيَهْ۔ هَلَكَ عَنِّىْ سُلْطٰنِيَهْ۔

(میرے مال نے بھی مجھے کچھ نفع نہ دیا، میری سلطنت و بادشاہت بھی برباد ہو گئی۔)

## ہارون رشید کی سلطنت کی وسعت

ہارون رشید بڑا ہی نیک بادشاہ تھا وعظ و نصیحت کی باتیں سن کر بلک بلک کر روتا تھا علماء کا بڑا قدرداں تھا رعایا پرور بادشاہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بڑی عظیم سلطنت عطا کی تھی ایک مرتبہ بادل کا ٹکرا جا رہا تھا اور بغداد میں جہاں اس کا دارالسلطنت تھا وہاں نہیں برسا تو اس نے بادل کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے بادل جہاں تیرا دل چاہے وہاں برس مگر تیرا خراج تو میرے پاس آئے گا اس کی سلطنت میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا مگر بعد میں اس کے شہزادے مامون اور محمد امین میں لڑائی ہوئی اور محمد امین مارا گیا اور سلطنت کی باگ ڈور مامون الرشید کے ہاتھ میں آئی اور آہستہ آہستہ بادشاہ کمزور پڑتے گئے خلافت عباسیہ کا بالکلیہ خاتمہ ہو گیا یہ دنیا ہی فانی ہے تو اس کی کونسی چیز باقی رہے گی: اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ دنیوی زندگی تو کھیل کود اور لہو ولعب ہے دوسری جگہ ارشاد ہے: مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ دنیوی زندگی ساز و ساماں تو بہت ہی تھوڑا ہے بڑے بڑے بادشاہ پہلوان تاجر اور خزانوں کے مالک سبھی ایک ایک کر کے چلے گئے یہ دنیا جیسے تھی ویسے ہی ہے کسی کے ساتھ رہنے والی نہیں اس لئے آخرت سے دل لگانا چاہئے جو ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی ہے کبھی ختم نہیں ہوئی وہاں کا آرام بھی دائمی اور وہاں کی سزا اور عذاب بھی دائمی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو آخرت کے اعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

# حجاج بن یوسف کی بے بسی

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ایک موقعے پر حجاج بن یوسف جو ایک ظالم بادشاہ تھا، اس کے پاس گئے، تو اس نے ان کو بہت سے گھوڑے دکھائے اور گستاخانہ کہا کہ کیا تمھارے صاحب (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس تم نے اِس جیسا دیکھا ہے؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس سے عمدہ چیز دیکھی ہے۔ میں نے آپ سے سنا کہ گھوڑے تین قسم کے ہوتے ہیں: ایک وہ کہ آدمی اس کو اللہ کے راستے کے لیے پالتا ہے۔ اس قسم کے گھوڑے کے بال، اس کا پیشاب، اس کا خون اور گوشت سب قیامت کے دن اس آدمی کے ترازو میں رکھا جائے گا۔ دوسرا یہ کہ آدمی محض اپنے پیٹ کے لیے گھوڑا پالتا ہے اور تیسرے یہ کہ وہ ریا وشہرت کے لیے پالتا ہے۔ پھر حجاج سے کہا کہ تیرے یہ گھوڑے اسی ریا وشہرت کے لیے ہیں۔

اس پر حجاج نہایت غضبناک ہوا اور کہنے لگا کہ اگر تم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت نہ کی ہوتی، تو میں تم کو ایسا اور ایسا کر دیتا (یعنی مارتا یا قتل ہی کر دیتا) حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

’’ كَلَّا ! لَقَدِ احْتَرَزْتُ مِنْكَ بِكَلِمَاتٍ لَا أَخَافُ مِنْ سُلْطَانٍ سَطْوَتَهُ وَلَا مِنْ شَيْطَانٍ عُتُوَّتَهُ۔‘‘

(تو ہرگز کچھ نہیں کر سکتا؛ کیوں کہ میں چند کلمات کے ذریعے تیرے شر سے محفوظ ہو چکا ہوں ، میں نہ کسی سلطان کی طاقت سے ڈرتا ہوں اور نہ کسی شیطان کی سرکشی سے۔)

یہ سن کے وہ ذرا ٹھنڈا ہوا اور کہنے لگا کہ اے ابوحمزہ! ہمیں بھی وہ کلمات سکھا دو، آپ نے فرمایا کہ خدا کی قسم! میں تجھے اس کا اہل نہیں دیکھتا؛ پھر ایک زمانے کے بعد جب حضرت انس رضی اللہ عنہ مرض الوفات میں مبتلا ہوئے، تو ان کے خادم حضرت ابان نے عرض کیا کہ حضرت! آپ سے ایک بات معلوم کرنا چاہتا ہوں، فرمایا کہ جو چاہو پوچھو، کہا کہ وہ کیا کلمات ہیں، جن کا حجاج

نے آپ سے مطالبہ کیا تھا؟ فرمایا کہ ہاں! میں تم کو اس کا اہل دیکھتا ہوں۔ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دس برس خدمت کی اور آپ میرے سے راضی ہو کر دنیا سے گئے اور تم نے بھی میری دس سال خدمت کی ہے اور میں دنیا سے جا رہا ہوں، جب کہ میں تم سے راضی ہوں، جب تم صبح کرو یا شام کرو تو یہ پڑھ لیا کرو:

اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، بِسْمِ اللّٰهِ عَلٰى نَفْسِيْ وَدِيْنِيْ، بِسْمِ اللّٰهِ عَلٰى أَهْلِيْ وَمَالِيْ، بِسْمِ اللّٰهِ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ أَعْطَانِيْ رَبِّيْ، بِسْمِ اللّٰهِ خَيْرِ الْأَسْمَاءِ، بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ الْأَرْضِ وَالسَّمَاءِ، بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ دَاءٌ، بِسْمِ اللّٰهِ افْتَتَحْتُ وَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ، لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ، لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ، لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ، تَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوَاتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ وَرَبُّ الْأَرَضِيْنَ وَمَا بَيْنَهُمَا، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، عَزَّ جَارُكَ وَجَلَّ ثَنَاءُكَ، وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ، اِجْعَلْنِيْ فِيْ جِوَارِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ ذِيْ شَرٍّ وَّمِنْ شَرِّ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، إِنَّ وَلِيِّيَ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتَابَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ، فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ (کنز العمال: ۵۰۲۱، التدوين في أخبار قزوين: ۱/ ۱۲۴)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے ذکر اور اس کی تسبیح میں بڑی طاقت ہے اور اللہ اس کی برکت سے ظالم کے ظلم سے حفاظت فرماتے ہیں، اگر چہ وہ بادشاہ و امیر ہی کیوں نہ ہو، وہ اس کے سامنے بے بس ہو جاتا ہے۔

## حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ کی حجاج بن یوسف کو تنبیہ

صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد حضرات تابعین و بعد کے اسلاف کی زندگیوں سے چند مثالیں لیجیے:

حجاج بن یوسف جو کہ بڑا ظالم حکمراں تھا، وہ ایک دفعہ حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ کے باز و نماز

کے لئے کھڑا ہو گیا اور یہ اس کے امارت کو سنبھالنے سے پہلے کا واقعہ ہے، وہ نماز میں امام سے پہلے سجدہ میں چلا جاتا اور امام سے پہلے سر اٹھا لیتا، جب نماز ہو گئی، تو حضرت سعید نے اس کی چادر کا ایک کنارہ پکڑ لیا اور اپنا وظیفہ پڑھتے رہے اور وہ اپنی چادر چھڑانے کی کوشش کرتا رہا، جب وہ اپنا وظیفہ پورا کر چکے، تو اس سے کہا کہ اے نماز میں چوری کرنے والے! اے نماز میں خیانت کرنے والے! اس طرح کی نماز پڑھتا ہے؟ میرا تو یہ خیال ہو گیا تھا کہ جوتے سے تیرے منہ پر ماروں۔ حجاج نے کوئی جواب نہیں دیا اور پھر وہ حج کے لئے چلا گیا اور وہاں سے شام کو چلا گیا اور حجاز کا گورنر ہو کر آیا ۔اور جب ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت ہو گئی، تو وہ مدینہ کا بھی گورنر ہو گیا، اور مدینہ میں مسجد نبوی کو آیا۔ وہاں حضرت سعید بن المسیب کی مجلس لگی ہوئی تھی، تو حجاج ان کی جانب آیا، تو لوگوں کو اندیشہ ہوا کہ کہیں حضرت سعید کو یہ تکلیف نہ پہنچائے، پس وہ آیا اور ان کے سامنے بیٹھ گیا اور کہا کہ کیا تم ہی نے یہ کلمات کہے تھے؟ تو حضرت سعید نے اپنے سینے پر ہاتھ مارا اور کہا: ہاں! تو حجاج نے کہا کہ اللہ آپ کو جزائے خیر دے کہ بہترین معلم و مربی ہو۔ میں جب بھی نماز پڑھتا ہوں تو آپ کا یہ قول یاد کرتا ہوں، یہ کہہ کر چلا گیا۔ (البدایۃ والنہایۃ: ۹/ ۱۳۹۔ مختصر تاریخ دمشق: ۲/ ۳۳۴۔)

## حجاج بن یوسف ثقفی

مسلم میں حضرت اسماء بنت ابو بکرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قوم ثقیف میں ایک بڑا خونخوار ظالم شخص ہوگا اور ایک بڑا جھوٹا ہوگا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ پیشن گوئی بھی سچی ثابت ہوئی، ثقیف میں ایک مشہور خونریز حجاج بن یوسف پیدا ہوا، اس کی خونخواری بے مثال ہے، بعض کتابوں میں اس کے ظلم کی داستان لکھی ہے کہ حجاج کو جتنا مزہ خون ناحق کرنے میں آتا تھا اتنا کسی اور چیز میں نہیں آتا تھا؛ چنانچہ ترمذی میں حضرت ہشام بن حبان سے روایت ہے کہ حجاج نے

ایک لاکھ بیس ہزار انسانوں کا خون ناحق کیا، قوم ثقیف کا دوسرا شخص جسے جھوٹا فرمایا گیا وہ مختار ثقفی ہے، یہ بڑا جھوٹا اور فریبی تھا، اس نے امام محمد بن حنفیہ کی نیابت کا جھوٹا دعوی کیا اور امام حسین کے خون کا بدلہ ان کے قاتلوں سے لینے کا ڈھونگ رچا کر ریاست اور شہرت حاصل کی اور آخر میں پیغمبری کا جھوٹا دعوی بھی کر بیٹھا، مشکوۃ کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی اس پیشن گوئی کا مصداق حضرت اسماء نے حجاج کو خود حجاج کے منہ پر کہا۔

## حجاج بن یوسف کی شقاوت

سنگدل اور کینہ پرور حجاج کی آتشِ انتقام ابن زبیرؓ کے خون سے بھی نہ بجھی قتل ہونے کے بعد اس نے سر کٹوا کر عبدالملک کے پاس بھجوا دیا اور لاش قریش کی عبرت کے لئے بیرون شہر ایک بلند مقام پر سولی پر لٹکوادی، (ابن اثیر: ۴ / ۲۹۰) حضرت اسماءؓ کو خبر ہوئی تو انہوں نے کہلا بھیجا کہ خدا تجھے غارت کرے تو نے لاش سولی پر کیوں آویزاں کرائی اس سنگدل نے جواب دیا، ابھی میں اس منظر کو باقی رکھنا چاہتا ہوں، اس کے بعد ستم رسیدہ ماں نے تجہیز و تکفین کی اجازت مانگی لیکن حجاج نے اس کی بھی اجازت نہ دی اور اس اولوالعزم اور حوصلہ مند بہادر کی لاش جس نے زندگی میں سات برس تک بنی امیہ کو لرزہ براندام کئے رکھا تھا شارع عام پر تماشا بنی رہی، قریش آتے تھے، دیکھتے تھے اور عبرت حاصل کرتے ہوئے گذر جاتے تھے، اتفاقاً ابن عمر کا گذر ہوا، وہ لاش کے پاس کھڑے ہو گئے اور تین مرتبہ لاش سے خطاب کر کے کہا، ابوحبیب السلام علیک، میں نے تم کو اس میں پڑنے سے منع کیا تھا تم روزے رکھتے تھے، نمازیں پڑھتے تھے، صلہ رحمی کرتے تھے، حجاج کو اس کی خبر ہوئی تو لاش سولی سے اتروا کر یہودیوں کے قبرستان میں پھنکوادی اور ستم بالائے ستم یہ کیا کہ ستم رسیدہ اسماءؓ کو بلا بھیجا، انہوں نے آنے سے انکار کر دیا، ان کے انکار پر اس

گستاخ نے کہلا بھیجا کہ سیدھی چلی آؤ، ورنہ چوٹی پکڑ کے گھسٹوا بلاؤں گا، صدیق اکبرؓ کی بیٹی نے جواب دیا، خدا کی قسم اب میں اس وقت تک نہ آؤں گی جب تک تو چوٹی پکڑ کے نہ گھسٹوائے گا، یہ جواب سن کر حجاج نے سواری منگائی اور حضرت اسماءؓ کے پاس جا کر کہا، سچ کہنا دیکھا خدا نے اپنے دشمن کو کیا انجام دکھایا، دلیر خاتون نے جواب دیا، ہاں تو نے ان کی دنیا خراب کی؛ لیکن انہوں نے تیری آخرت برباد کر دی تو مجھے ذات النطاقین کہہ کر شرم دلاتا ہے، تجھ کو کیا معلوم یہ کتنا معزز لقب ہے اور کس کا دیا ہوا ہے، نادان یہ لقب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عطا کردہ ہے میرے پاس دو پٹکے (نطاق) تھے ایک پٹکے سے میں چیونٹیوں سے بچانے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کھانا ڈھانکتی تھی اور دوسرا اپنے مصرف میں لاتی تھی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ بنی ثقیف میں کذاب اور مبیر ہوں گے کذاب تو ہم نے دیکھ لیا تھا مبیر باقی رہ گیا تھا وہ تو ہے حضرت اسماءؓ کی یہ بے باکانہ باتیں سن کر حجاج لوٹ گیا۔ (مستدرک حاکم: ۳/ ۵۵۳)

## حجاج بن یوسف کے آخری کلمات

حجاج بن یوسف، خلفائے بنوامیہ کا انتہائی سفاک وخونخوار ظالم گورنر تھا۔ اس نے ایک لاکھ انسانوں کو اپنی تلوار سے قتل کیا، اور جو لوگ اس کے حکم سے قتل کئے گئے ان کو کوئی گن ہی نہ سکا بہت سے صحابہؓ اور تابعینؒ کو اس نے قتل کیا یا قید وبند رکھا حضرت خواجہ حسن بصریؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر ساری امتیں اپنے اپنے منافقوں کو قیامت کے دن لیکر آئیں اور ہم اپنے منافق حجاج بن یوسف ثقفی کو پیش کر دیں تو ہمارا پلہ بھاری ہوگا یہ حجاج بن یوسف جب کینسر کی خبیث بیماری میں مرنے لگا اس کی زبان پر یہ دعا جاری ہوگئی یہ دعا مانگتے مانگتے اس کا دم نکل گیا دعا یہ ہے ''۔اے اللہ تیرے بندے بندیاں میرے بارے میں کہتے ہیں کہ تو معاف نہیں کرے گا مگر مجھے تجھ سے امید ہے کہ تو مجھے معاف فرمادے'' خلیفہ عادل حضرت عمر ابن

عبدالعزیزؒ کو حجاج بن یوسف کی زبان سے مرتے وقت کی یہ دعا بہت اچھی لگی اور ان کو حجاج کی موت پر رشک ہونے لگا اور خواجہ حسن بصریؒ سے لوگوں نے حجاج کی اس دعا کا ذکر کیا تو آپؒ نے تعجب سے فرمایا کیا واقعی حجاج نے یہ دعا مانگی تھی؟ تو لوگوں نے کہا جی ہاں! اس نے یہ دعا مانگی تھی تو آپ نے فرمایا شاید خدا اس کو بخش دے۔ (احیاء العلوم، ج: ۴ ص: ۴۰۱)

## اصحاب کہف کا کتا

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کا واقعہ بیان فرمایا ہے کہ وہ چند نوجوان تھے، شہر میں رہتے تھے جب ان کا دین اور ایمان خطرے میں پڑ گیا تو اپنے ایمان کو بچانے کے لئے شہر چھوڑ کے پہاڑوں کا رخ کر لیا۔ چلتے وقت ایک کتا بھی ساتھ روانہ ہو گیا۔ کتا ساتھ چلتا رہا، کتے نے ان صادقین اور صالحین کی معیت اختیار کر لی۔ جب یہ حضرات غار کے اندر چلے گئے تو کتا غار کے دہانے پہ ہاتھ پھیلا کے بیٹھ گیا اور پہرا دینے لگا۔ قرآن پاک میں اس کتے کا تذکرہ اللہ رب العزت نے فرمایا ہے: وَكَلْبُهُم بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ (الکہف: 18)

اور ان کا کتا دہلیز پر اپنے ہاتھ بچھائے ہوئے تھا۔

یہ اصحاب کہف ایک طویل عرصے تک غار میں پڑے رہے، اس دوران اللہ نے ان پر نیند طاری کر دی۔ یہ نیند ایک دن کی نہیں تھی، ایک ہفتے کی بھی نہیں تھی، بلکہ یہ تو سینکڑوں سال پر محیط نیند تھی اور ظاہری بات ہے کہ اگر بندہ نیند کی حالت میں ایک کروٹ پر لیٹا رہے تو مٹی سے نیچے سے کھا جائے گی۔ اس لیے ان کے اجسام کی حفاظت کے لیے اللہ رب العزت نے فرشتوں کو مامور فرمایا، وہ تھوڑے تھوڑے وقفے سے آتے تھے اور انکی کروٹ بدلا کرتے تھے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ فرشتے جو اصحاب کہف کی کروٹ بدلا کرتے تھے، وہ اصحاب کہف کے کتے کی کروٹ بھی بدلا کرتے تھے۔

بندہ حیران ہو جاتا ہے کہ کتا اتنا ناپاک ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کسی

کے برتن کو کتا منہ لگائے تو اس برتن کو سات مرتبہ دھولو اور آٹھویں مرتبہ ریت کے ساتھ اچھی طرح دھلائی کرو۔" یہ اتنا ناپاک اور نجس جانور ہے لیکن اگر اللہ والوں کے ساتھ اس کا تعلق جڑ جاتا ہے تو اس کی کروٹ بدلنے کے لئے عرش فرشتے اترا کرتے ہیں۔ (صحبت صالحین کی اہمیت، ص/33)

## اصحابِ کہف کا واقعہ

اللہ پاک نے اصحاب کہف کا واقعہ بھی بیان فرمایا۔ وہ پانچ، چھ یا سات نوجوان تھے۔ یہ لوگ حضرت عیسیٰ پر ایمان لے آئے کیونکہ انہیں کا زمانہ تھا۔ اُس وقت کا بادشاہ اور اُس کے حواری کافر تھے۔ اور وہ لوگ جو بھی مسلمان ہوتا اس کو قتل کر دیتے اور سخت سے سخت سزائیں دیتے، یہ نوجوان وزراء کی اولاد تھے۔ ان لوگوں کو اپنے ایمان کو بچانا تھا لہٰذا یہ لوگ وہاں سے چل کر ایک پہاڑ کی غار میں چلے گئے۔ ان لوگوں نے سوچا کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے، ہماری جان بھی چلی جائے لیکن ہم اپنا ایمان نہیں چھوڑیں گے۔ ان نوجوانوں نے اپنے ساتھ توشہ اور کچھ پیسے ساتھ لیے اور ایک غار میں چھپ گئے۔ وہاں پر کھا پی کر سو گئے، جب سوئے تو سوتے ہی رہ گئے۔ پھر ایک وقت کے بعد سب اُٹھے، اُٹھنے کے بعد ایک دوسرے سے پوچھا کہ ہمیں سوتے ہوئے کتنی دیر ہوگئی۔ بعض نے کہا کہ ایک دن ہوا ہے، لیکن حق تعالیٰ نے فرمایا ایک دن نہیں بلکہ تین سو نو سال وہ اس غار میں رہے: ﴿وَلَبِثُوْا فِیْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِیْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا﴾

## واقعۂ اصحابِ کہف سے تاثیرِ صحبتِ اہل اللہ کا ثبوت

جیسے اصحابِ کہف کو اللہ تعالیٰ نے سُلا دیا اور تقریباً تین سو برس تک وہ سوتے رہے، اور زندہ بھی رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر صرف نیند طاری کردی تھی۔ جب ظالم بادشاہ کے ظلم سے بچنے کے لیے وہ غار میں گئے، ایک کتّا ان کے ساتھ جانے لگا۔ یہ اصحابِ کہف اس کو پتھر مار رہے تھے کہ تو کہاں آرہا ہے منحوس؟ تجھ کو پالنا بھی جائز نہیں۔

تفسیر روح المعانی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو زبان دے دی۔ اس نے کہا میں کتّا تو ہوں، لیکن مجھے عام کتّوں کی طرح نہ سمجھیے، میں آپ کی حفاظت کروں گا۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ اس کا نام ''قِطمیر'' ہے۔ اوران اولیاء اللہ کی برکت سے وہ بھی جنت میں جائے گا۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ والوں کی صحبت کی تاثیر تو دیکھو! کہ کتّا جیسا نجس جانور جس کا لعابِ دہن پیشاب کے برابر ناپاک، اس ناپاک کو بھی اللہ تعالیٰ پاک کر کے جنت میں بھیج دیں گے۔

یہ ہے صحبتِ اہل اللہ۔ جس کو بعض نادان اپنے تکبر کی وجہ سے حقارت سے بیان کرتے ہیں کہ اللہ والوں کی صحبت سے کچھ نہیں ہوتا۔ دیکھ لو اصحابِ کہف کو! قرآنِ پاک ناطق ہے اس منطوق کا، اس مفہوم کا، جو میں نے پیش کیا کہ اصحابِ کہف کی برکت سے وہ کتّا جنت میں جائے گا۔

## صالحین کی بستی پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے

محدثِ عظیم ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، جلد ۵، صفحہ ۱۹۵ پر ارقام فرماتے ہیں کہ صالحین کی محفل میں دعا مانگنا مستحب ہے۔

فَإِنَّ عِنْدَ ذِكْرِ الصَّالِحِيْنَ تَنْزِلُ الرَّحْمَةُ فَضْلًا عِنْدَ وُجُوْدِهِمْ وَحُضُوْرِهِمْ۔

کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت جب صالحین کے ذکر سے نازل ہوتی ہے تو جہاں صالحین خود رہتے ہوں اس جگہ پر کتنی رحمت برستی ہوگی!

## ذاکرین کی مجالس جنت کے باغ ہیں

إِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوْا قَالُوْا: وَمَا رِيَاضُ الْجَنَّةِ؟ قَالَ حَلَقُ الذِّكْرِ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جب تم جنت کے باغوں سے گزرو تو خوب کھل کر کھا پی لیا کرو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ جنت کے باغ کیا ہیں؟ فرمایا: ذکر کے حلقے۔

تشریح: محدثِ عظیم حضرت ملّا علی قاری فرماتے ہیں: حَاصِلُ الْمَعْنٰى: إِذَا مَرَرْتُمْ بِجَمَاعَةٍ

يَذْكُرُوْنَ اللهَ تَعَالٰى فَاذْكُرُوْهُ أَنْتُمْ مُوَافَقَةً لَّهُمْ فَإِنَّهُمْ فِيْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ. قَالَ النَّوَوِيُّ رَحِمَهُ اللهُ: وَاعْلَمْ أَنَّهٗ كَمَا يُسْتَحَبُّ الذِّكْرُ يُسْتَحَبُّ الْجُلُوْسُ فِيْ حَلَقِ أَهْلِهٖ ۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ جب تم ایسی جماعت سے گزرو جو اللہ تعالیٰ کو یاد کر رہی ہو تو تم بھی ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے لگو کیوں کہ وہ جنت کے باغوں میں ہیں۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس طرح ذکر مستحب ہے اسی طرح اہلِ ذکر کی صحبتوں میں بیٹھنا بھی مستحب ہے۔

خدا تعالیٰ کے عاشقوں کی صحبت میں جنت کا لطف آتا ہے۔ حکیم اختر کا فارسی شعر ہے ؎

میسر چوں مرا صحبت بجانِ عاشقاں آید

ہمیں بینم کہ جنت برزمیں از آسماں آید

جب مجھے اللہ تعالیٰ کے عاشقوں کی صحبت میسر آجاتی ہے تو اتنا لطف آتا ہے کہ جیسے جنت آسمان سے زمین پر آگئی ہے۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں ؎

میں رہتا ہوں دن رات جنت میں گویا

مرے باغِ دل میں وہ گلکاریاں ہیں

## صالحین کی بستی اور سامانِ مغفرت

عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: كَانَ فِيْ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ رَجُلٌ قَتَلَ تِسْعَةً وَّتِسْعِيْنَ إِنْسَانًا ثُمَّ خَرَجَ يَسْأَلُ فَأَتٰى رَاهِبًا فَسَأَلَهٗ فَقَالَ لَهٗ هَلْ مِنْ تَوْبَةٍ؟ قَالَ لَا فَقَتَلَهٗ فَجَعَلَ يَسْأَلُ فَقَالَ لَهٗ رَجُلٌ: إِئْتِ قَرْيَةَ كَذَا وَكَذَا فَأَدْرَكَهُ الْمَوْتُ فَنَاءَ بِصَدْرِهٖ نَحْوَهَا فَاخْتَصَمَتْ فِيْهِ مَلَائِكَةُ الرَّحْمَةِ وَمَلَائِكَةُ الْعَذَابِ فَأَوْحَى اللهُ إِلٰى هٰذِهٖ أَنْ تَقَرَّبِيْ وَأَوْحَى اللهُ إِلٰى هٰذِهٖ أَنْ تَبَاعَدِيْ وَقَالَ: قِيْسُوْا مَا بَيْنَهُمَا فَوُجِدَ إِلٰى هٰذِهٖ أَقْرَبَ بِشِبْرٍ فَغُفِرَ لَهٗ ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص نے ننانوے انسانوں کو قتل کیا۔ پھر وہ ایک راہب کے پاس آیا اور سوال کیا کہ کیا ایسے شخص کے لیے توبہ ہے؟ راہب نے کہا نہیں! پس اس کو بھی قتل کر دیا۔ پھر اس نے ایک دوسرے شخص سے سوال کیا۔ اس نے کہا کہ فلاں (صالحین کی) بستی کی طرف جاؤ (وہاں تمہاری توبہ قبول ہوجائے گی) پس (راستہ ہی میں) اس کو موت نے پکڑ لیا۔ پس اس نے (مرتے وقت) اپنا سینہ اس بستی کی طرف کر دیا۔ پس اس شخص کے بارے میں رحمت اور عذاب کے فرشتوں میں اختلاف ہوا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اِس (صالحین کی) بستی کی طرف وحی فرمائی کہ تو قریب ہوجا اور اُس (معصیت کی) سرزمین کو حکم دیا کہ تو دور ہوجا۔ پس اللہ تعالیٰ نے (فرشتوں سے) فرمایا کہ تم ان دونوں زمینوں کی پیمایش کرو۔ پس پایا گیا وہ شخص صالحین کی بستی سے ایک بالشت زیادہ قریب۔ پس اس کو بخش دیا گیا۔ (متفق علیہ)

(۱) ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ راہب عابد، زاہد، خلق سے کنارہ کش، خالق کی یاد میں مشغول تھا اور اس پر خوفِ الٰہی کا غلبہ تھا۔

(۲) راہب نے جو توبہ نہ قبول ہونے کا کہا اس کی تین وجوہات ہوسکتی ہیں:

(الف) إِمَّا جَهْلًا مِنْهُ بِعِلْمِ التَّوْبَةِ یا تو توبہ کے بارے میں صحیح علم سے بے خبر تھا۔

(ب) وَإِمَّا لِغَلَبَةِ الْخَشْيَةِ عَلَيْهِ یا خشیت کے غلبہ کی وجہ سے۔

(ج) وَإِمَّا لِتَصَوُّرِ عَدَمِ إِمْكَانِ إِرْضَاءِ خُصُوْمِهٖ عَنْهُ یعنی اس تصور کے سبب کہ مظلوم فریق کے راضی کرنے کا امکان نہ رہا تھا۔ اور اس نے راہب کو اس بنا پر قتل کیا کہ جب میری توبہ قبول ہی نہیں ہے تو ننانوے کے بجائے سو پورا کردو۔

(۳) ایک اشکال اور اس کا جواب: علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ اس شخص کی مغفرت پر ایک

اشکال اصولِ شرع کے مطابق وارد ہوتا ہے اور وہ یہ کہ فَإِنَّ حُقُوْقَ بَنِیْ اٰدَمَ لَاتَسْقُطُ بِالتَّوْبَةِ بَلْ تَوْبَتُهَا أَدَاءُهَا إِلٰى مُسْتَحِقِّيْهَ کیوں کہ حقوق العباد صرف توبہ سے معاف نہیں ہوتے جب تک کہ اہلِ حقوق کوراضی نہ کیا جاوے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى إِذَا رَضِيَ عَنْ عَبْدِهٖ وَ قَبِلَ تَوْبَتَهٗ اَرْضٰى عَنْهُ خُصُوْمَهٗ وَرَدَّ مَظَالِمَهٗ۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے خوش ہوجاتے ہیں اوراس کی توبہ قبول فرماتے ہیں تو اس کی جانب سے اہلِ حقوق کوراضی کردیں گے اوراہلِ حقوق کے حقوق کواس بندے کی طرف سے خودادا فرمادیں گے۔

(۴) فضل بصورتِ عدل: گناہ کی بستی کو دور کرنے کا اور صالحین کی بستی کو قریب کرنے کا جو حکم فرمایا فَهٰذَا فَضْلٌ فِيْ صُوْرَةِ عَدْلٍ پس یہ فضل ہے عدل کی صورت میں صالحین کی بستی سے صرف ایک بالشت زیادہ قریب ہونے پر۔

(۵) اس کی مغفرت دلالت کرتی ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت پر طالبِ توبہ کے لیے۔ پھر تائب پر کس درجہ رحمت نازل ہوگی! رَزَقَنَا اللّٰهُ تَعَالٰى تَوْبَةً نَصُوْحًا اللہ تعالیٰ ہم سب کو توبۂ صادقہ خالصہ نصیب فرمائے، آمین۔

(۶) وَفِيْ رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ: فَدُلَّ عَلٰى رَجُلٍ عَالِمٍ فَقَالَ فَإِنَّ بِهَا أُنَاسًا يَّعْبُدُوْنَ اللّٰهَ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مَعَهُمْ۔ مسلم کی روایت سے معلوم ہوا کہ وہ دوسرا آدمی عالم تھا جس نے کہا تھا کہ فلاں بستی میں کچھ بندے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہیں تم بھی جا کران کے ساتھ عبادت میں مشغول ہوجاؤ۔

(۷) فِيْهِ تَفْضِيْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ۔ اس حدیث سے عالم کی فضیلت ثابت ہوتی ہے عابد پر۔

## کافر کانا دجّال مدینہ منوّرہ میں داخل نہیں ہوسکتا

دجّال کے متعلق حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ دجّال مدینہ منوّرہ سے دور رہے گا اور مدینہ کے راستوں پر بھی اس کا آنا ممکن نہ ہوگا، مدینہ کے قریب

ایک شورزمین کی طرف آئے گا، اس وقت ایک آدمی دجّال کے پاس آئے گا اور وہ آدمی اس وقت کے بہترین لوگوں میں سے ہوگا اور اس کو خطاب کر کے کہے گا کہ میں یقین سے کہتا ہوں کہ تو وہی دجّال ہے جس کی ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی، (یہ سن کر) دجّال کہے گا، لوگو! مجھے یہ بتلاؤ کہ اگر میں اس آدمی کو قتل کردوں اور پھر اسے زندہ کردوں تو میرے خدا ہونے میں شک کرو گے؟ وہ جواب دیں گے، نہیں، چنانچہ وہ اس آدمی کو قتل کرے گا اور پھر اس کو زندہ کردے گا، تو وہ دجّال کو کہے گا کہ اب مجھے تیرے دجّال ہونے کا پہلے سے زیادہ یقین ہوگیا ہے۔ دجّال اس کو دوبارہ قتل کرنے کا ارادہ کرے گا، لیکن وہ اس پر قادر نہ ہو سکے گا۔ (صحیح مسلم)

## دجّال کے قتل کے بعد یاجوج ماجوج کی ہلاکت

معارف القرآن جلد پنجم میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب عثمانیؒ لکھتے ہیں کہ دجّال کے قتل کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابھی اسی حال میں ہوں گے کہ حق تعالیٰ کا حکم ہوگا کہ میں اپنے بندوں میں ایسے لوگوں کو نکالوں گا جن کے مقابلہ کی کسی کو طاقت نہیں۔ آپ مسلمانوں کو جمع کر کے کوہِ طور پر چلے جائیں (چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام ایسا ہی کریں گے) اور حق تعالیٰ یاجوج ماجوج کو کھول دیں گے تو وہ سرعت سیر کے سبب ہر بلندی سے پھسلتے ہوئے دکھائی دیں گے، ان میں سے پہلے لوگ بحیرۂ طبریہ سے گذریں گے اور اس کا سب پانی پی کر ایسا کردیں گے کہ جب ان میں سے دوسرے لوگ اس بحیرہ سے گذریں گے تو دریا کی جگہ کو خشک دیکھ کر کہیں گے کہ کبھی یہاں پانی رہا ہوگا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے رفقاء کوہِ طور پر پناہ لیں گے اور دوسرے مسلمان اپنے قلعوں اور محفوظ جگہوں میں پناہ لیں گے، کھانے پینے کا سامان ساتھ ہوگا، مگر وہ کم پڑ جائیگا تو ایک بیل کے سر کو سو دینار سے بہتر سمجھا جائے گا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرے مسلمان اپنی تکلیف

دفع ہونے کے لئے حق تعالیٰ سے دُعا کریں گے (حق تعالیٰ دُعا قبول فرمائیں گے) اور ان پر وبائی صورت میں ایک بیماری بھیجیں گے اور یاجوج ماجوج تھوڑی دیر میں سب کے سب مر جائیں گے، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی کوہِ طور سے نیچے آئیں گے تو دیکھیں گے کہ زمین میں ایک بالشت جگہ بھی ان کی لاشوں سے خالی نہیں (اور لاشوں کے سڑنے کی وجہ سے) سخت تعفّن پھیلا ہوگا۔ (اس کیفیت کو دیکھ کر دوبارہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی حق تعالیٰ سے دعا کریں گے کہ یہ مصیبت بھی دفع ہو، حق تعالیٰ قبول فرمائیں گے اور بہت بھاری بھر کم پرندوں کو بھیجیں گے، جن کی گردنیں اُونٹ کی گردن کے مانند ہوں گی۔ (وہ ان کی لاشوں کو اُٹھا کر جہاں اللہ کی مرضی ہوگی وہاں پھینک دیں گے)۔ بعض روایات میں ہے کہ دریا میں ڈالیں گے، پھر حق تعالیٰ بارش برسائیں گے، کوئی شہر اور جنگل ایسا نہ ہوگا جہاں بارش نہ ہوئی ہوگی، ساری زمین دُھل جائے گی اور شیشہ کے مانند صاف ہوجائیگی، پھر حق تعالیٰ زمین کو حکم فرمائیں گے کہ اپنے پیٹ سے پھلوں اور پھولوں کو اُگا دے اور (از سرِ نو) اپنی برکات کو ظاہر کردے، (چنانچہ ایسا ہی ہوگا اور اس قدر برکت ظاہر ہوگی) کہ ایک انار ایک جماعت کے کھانے کے لئے کفایت کریگا اور لوگ اس کے چھلکے کی چھتری بنا کر سایہ حاصل کریں گے اور دودھ میں اس قدر برکت ہوگی کہ ایک اونٹنی کا دودھ ایک بہت بڑی جماعت کے لئے کافی ہوگا اور ایک گائے کا دودھ ایک قبیلہ کے سب لوگوں کو کافی ہوجائے گا اور ایک بکری کا دودھ پوری برادری کو کافی ہوجائے گا (یہ غیر معمولی برکات اور امن وامان کا زمانہ چالیس سال رہنے کے بعد جب قیامت کا وقت آجائے گا تو) اس وقت حق تعالیٰ ایک خوشگوار ہوا چلائیں گے، جس کی وجہ سے سب مسلمانوں کی بغلوں کے نیچے ایک خاص قسم کی بیماری ظاہر ہوجائے گی اور سب کے سب وفات پاجائیں گے اور باقی صرف شریر وکافر رہ جائیں گے جو زمین پر کھلم کھلا حرام کاری جانوروں کی طرح کریں گے، ایسے ہی لوگوں پر قیامت آئے گی۔

## حضرت عیسیٰ ومہدی علیہم السلام کے زمانہ میں مکمل امن وامان ہوگا

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد زمین پر چالیس سال زندہ رہیں گے۔ان سے پہلے حضرت مہدی علیہ السلام کا زمانہ بھی چالیس سال رہے گا،جس میں کچھ عرصہ دونوں کے کا ایک ہوگا ہوگا۔سید شریف برزنجی نے اپنی کتاب اشراط الساعۃ صفحہ ۱۴۵ میں لکھا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا قیام،قتلِ دجّال اور امن وامان کے بعد چالیس سال ہوگا اور مجموعۂ قیام پینتالیس سال ہوگا اور صفحہ ۱۱۲ میں ہے کہ حضرت مہدی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تیس سال پہلے ظاہر ہوں گے اوران کا مجموعۂ زمانہ چالیس سال ہوگا۔اس طرح پانچ یا سات سال تک دونوں حضرات کا اجتماع رہے گا اور ان دونوں زمانوں کی یہ خصوصیت ہوگی کہ پوری زمین پر عدل وانصاف کی حکومت ہوگی زمین اپنی برکات اور خزائن اُگل دے گی،کوئی فقیر ومحتاج نہ رہے گا آپس میں بغض وعداوت قطعاً نہیں رہے گی،ہاں حضرت مہدی علیہ السلام کے آخری زمانے میں دجّال اکبر کا فتنہ عظیم سوائے مکّہ اور مدینہ اور بیت المقدس اور کوہِ طور کے سارے عالم پر چھا جائے گا اور یہ فتنہ دنیا کے تمام فتنوں سے عظیم تر ہوگا،دجّال کا قیام اور فساد صرف چالیس دن رہے گا،مگر ان چالیس دنوں میں سے پہلا دن ایک سال کا،دوسرا دن ایک مہینہ کا،تیسرا دن ایک ہفتہ کا ہوگا،باقی دن عام دنوں کی طرح کے ہونگے،جس کی صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ حقیقۃً یہ دن اتنے طویل کر دیئے جائیں،کیونکہ اس آخر زمانے میں تقریباً سارے واقعات ہی خرقِ عادت اور معجزہ کے ہوں گے اور یہ بھی ممکن ہے کہ دن رات تو اپنے معمول کے مطابق ہوتے رہیں مگر دجّال کا بڑا ساحر ہونا حدیث سے ثابت ہے۔ہو سکتا ہے کہ اس کے سحر کے اثر سے عام مخلوق کی نظروں پر یہ دن رات کا تغیّر وانقلاب ظاہر نہ ہو۔وہ اس کو ایک ہی دن دیکھتے اور سمجھتے رہیں۔حدیث میں جو اس دن کے اندر عام دنوں کے مطابق اندازہ لگا کر نمازیں پڑھنے کا حکم آیا ہے،اس سے بھی تائید اس کی ہوتی ہے کہ حقیقت کے اعتبار سے تو دن رات بدل رہے ہوں گے،مگر لوگوں کے احساس میں یہ بدلنا نہیں ہوگا،اس لئے اس

ایک سال کے دن میں تین سوساٹھ دنوں کی نمازیں ادا کرنے کا حکم دیا گیا، ورنہ اگر دن حقیقۃً ایک ہی دن ہوتا تو قواعد شرعیہ کی رُو سے اس میں صرف ایک ہی دن کی پانچ نمازیں فرض ہوتیں، خلاصہ یہ ہے کہ دجّال کا کُل زمانہ چالیس دن کا ہوگا، اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوکر دجّال کو قتل کر کے اس فتنہ کو ختم کریں گے، مگر اس کے متصل ہی یاجوج ماجوج کا خروج ہوگا جو پوری دنیا میں فساد اور قتل و غارت گری کریں گے، مگر ان کا زمانہ بھی چند ایام ہی ہوگا، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے سب بیک وقت ہلاک ہوجائیں گے۔

غرض حضرت مہدی علیہ السلام کے زمانے کے آخر میں اور عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے شروع میں دو فتنے دجّال اور یاجوج ماجوج کے ہوں گے جو تمام زمین کے لوگوں کو تہہ و بالا کردیں گے، ان ایام معدودہ سے پہلے اور بعد میں پوری دنیا کے اندر عدل و انصاف اور امن وسکون اور برکات وثمرات کا دور دورہ ہوگا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اسلام کے سوا کوئی کلمہ و مذہب زمین پر نہ رہے گا، زمین اپنے خزائن ودفائن اُگل دے گی کوئی فقیر ومحتاج نہ رہے گا، درندے اور زہریلے جانور بھی کسی کو تکلیف نہ پہنچائیں گے۔

## حضرت عیسیٰؑ کی وفات اور روضۂ اقدسؐ میں تدفین

مسند احمد اور ابوداؤد میں باسناد صحیح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد چالیس سال زمین پر رہیں گے۔ مسلم کی ایک روایت میں سات سال کا عرصہ بتلایا ہے حافظؒ نے فتح الباری میں اس کو مؤوّل یا مرجوح قرار دے کر چالیس سال ہی کا عرصہ صحیح قرار دیا ہے اور حسبِ تصریح احادیث یہ پورا عرصہ امن و امان اور برکات کے ظہور کا ہوگا، بغض وعداوت آپس میں قطعاً نہ رہے گا، کبھی دو آدمیوں میں کوئی جھگڑا یا عداوت نہیں ہوگی۔ (روایت مسلم واحمد)

## حضرت حسینؓ اور نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت حسینؓ کی ولادت سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت تک چھ سال اور چند ماہ کی مدت میں لوگوں نے بار بار دیکھا کہ رسول اکرم حضرت حسینؓ سے کتنی محبت فرماتے تھے اور کس حد تک احترام کرتے تھے جس سے لوگوں کو حضرت حسینؓ کی عظمت اور بزرگی کا اندازہ ہوگیا حضرت سلمان فارسیؓ کا بیان ہے کہ ’’میں نے دیکھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حسینؓ کو اپنے زانوں پر بٹھائے ہوئے ہیں اور یہ فرما رہے ہیں۔تم کریم ہو کریم کے فرزند ہو اور کریموں کے پدر ہو تم خود امام ہو امام کے فرزند ہو اور اماموں کے پدر ہو۔انس بن مالک کی روایت ہے کہ جس وقت حضور اکرمؐ سے یہ سوال کیا گیا کہ آپ اپنے اہل بیت میں سب سے زیادہ کسے دوست رکھتے ہیں فرمایا حسنؓ وحسینؓ کو اپنے سینے سے لگاتے تھے سونگھتے تھے اور بوسہ لیتے تھے۔

حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حسنؓ وحسینؓ کو اپنے شانوں پر بٹھائے ہوئے ہماری طرف تشریف لا رہے ہیں جب ہمارے پاس پہنچے تو ارشاد فرمایا جو شخص میرے ان دونوں فرزندوں کو دوست رکھے اس نے مجھے دوست رکھا اور جو انہیں دشمن رکھے اس نے مجھ سے دشمنی کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت حسینؓ کے درمیان عمیق ترین، واضح ترین اور معنوی وملکوتی رابطہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جملہ میں دیکھا جاسکتا ہے۔حسینؓ مجھ سے ہے اور میں حسینؓ سے ہوں۔

## حسینؓ اور حضرت علیؓ

زندگی کے 6 سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گزرے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا سے لقائے خالق کو گئے تو زندگی کے تیس سال اپنے والد کے ساتھ گزارے، ہمیشہ انصاف سے فیصلہ کیا جس کی تمام عمر پاکیزگی اور بندگی میں گزری۔

ان تمام ادوار میں حضرت حسینؓ صبر وسکون کے ساتھ دل وجان سے اپنے پدر کی اطاعت کرتے رہے اور جب کچھ دنوں کیلئے حضرت علی کرم اللہ وجہ کو خلافت ملی اس زمانے میں حضرت حسینؓ مقصد اسلام کی نشر واشاعت اوراس کی ارتقاء میں بھر پور کوشاں رہے ایک فدا کار سپاہی کی طرح بھائی کے قدم سے قدم ملا کر ہر میدان میں دشمنوں سے لوہا لیتے رہے جنگ جمل، جنگ نہروان اور جنگ صفین میں شریک رہے۔

## حضرت حسینؓ کا مکہ میں قیام

معاویہؓ کے بعد یزید اسلامی حکومت کے تخت پر بیٹھا، اور اپنے کو امیر المومنین کا لقب دیا، اپنی ناحق اور ظالمانہ حکومت کو مستحکم کرنے کیلئے اسلام کی نامور شخصیتوں کے پاس پیغام بھیجا اوران سے بیعت کا مطالبہ کیا اسی مقصد سے ایک خط حاکم مدینہ کو لکھا اوراس بات کی طرف توجہ دلائی کہ حضرت حسینؓ سے بھی بیعت لی جائے، حاکم مدینہ نے یہ خبر امام حسینؓ تک پہنچادی اوراس کے جواب کا مطالبہ کیا، حضرت حسینؓ نے ارشاد فرمایا: ''اب اسلام کا بس خدا ہی محافظ ( کیونکہ یہ لوگ اسلام کی طاقت سے اسلام کا گلا کاٹیں گے اور اسلام کو نابود کردیں گے ) جب حضرت حسینؓ نے یزید کی حکومت تسلیم نہیں کی، اسی وقت انہیں اس بات کا اندازہ ہوا کہ اب مدینہ میں رہنا مناسب نہیں، کسی وقت بھی آپ کو قتل کیا جاسکتا ہے لہذا آپ نے شب کے سناٹے میں مدینہ سے مکہ کا سفر کیا ،مکہ تشریف لائے، مکہ اور مدینہ والوں کو معلوم ہوگیا کہ حضرت حسینؓ نے یزید کی بیعت نہیں کی یہ خبر کوفہ میں بھی پہنچی کوفہ والوں نے حضرت حسینؓ کو کوفہ آنے کی دعوت دی کہ کوفہ تشریف لاکر ہماری رہبری فرمائیں حضرت حسین نے اپنے چچازاد بھائی جناب مسلم بن عقیل کو اپنا نمائندہ بنا کر کوفہ بھیجا کہ وہاں والوں کے جذبات معلوم ہوسکیں اور وہاں کے حالات کا صحیح اندازہ ہوسکے۔ مقصد یزید کی

اسلام مخالف حکومت کو رسوا کرنا ہے، اور نیکیوں کی دعوت دینا، برائیوں سے روکنا ظلم وستم کے خلاف آواز اٹھانا، قرآن کی حمایت اور دین محمدیؐ کی تبلیغ ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امیر المومنین حضرت علیؓ، حضرت حسینؓ اور اسلام کے تمام گزشتہ رہبروں نے بارہا حضرت حسینؓ کی شہادت کی خبر دی تھی، یہاں تک کہ حضرت حسینؓ کی ولادت کے وقت مرسل اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسینؑ کی شہادت کی خبر سنائی تھی۔

خدا کے حکم کے آگے اپنی جان کی کوئی قیمت سمجھتے ہوں یا اپنے اہل حرم کی اسیری سے خوف زدہ ہوں ایسا کچھ نہیں بلکہحضرت حسینؓ وہ تھے جو بلا کو فضیلت اور شہادت کو سعادت سمجھتے تھے۔ (خدا کا ابدی سلام ہو ان پر) کربلا کے میدان میں حضرت حسینؓ کی شہادت کی خبر امت اسلامیہ میں اتنی عام ہو چکی تھی کہ عام افراد بھی اس سفر کے انجام سے واقف تھے۔ کیونکہ لوگوں نے بارہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سےحضرت حسینؓ کی شہادت کی خبر سنی تھی، اس بنا پر مصائب ومشکلات سے بھرپور حضرت حسینؓ کا یہ سفر لوگوں کے ذہنوں میں شہادت کی خبر کو بار بار دہرا رہا تھا۔

جو ہماری راہ میں جان قربان کرسکتا ہو اور خدا کی ملاقات کا مشتاق ہو وہ ہمارے ساتھ آئے'' اس بناء پر بعض افراد کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوا کہ وہ حضرت حسینؓ کو اس سفر سے باز رکھیں، وہ اس بات سے غافل تھے، حضرت علی کے فرزند دوسروں سے زیادہ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھتا ہے، طرح طرح کے نظریات اور مشوروں کے باوجود حضرت حسینؓ اپنی راہ پر ثابت قدم رہے اور لوگوں کی باتیں ذرا بھی ان کے ارادے میں رکاوٹ نہ بنیں، حضرت حسینؓ نے سفر جاری رکھا اور ہنسی خوشی شہادت قبول کی تنہا نہیں بلکہ ایسے اعوان وانصار کے ساتھ جن میں سے ہر ایک اسلام کے افق کا درخشندہ ستارہ تھا ان شہیدوں کے خون نے کربلا کے ریگزار کو لالہ زار بنا دیا۔

حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد حسینؓ کے اہل حرم بھی اسیر ہوئے تا کہ شہادت کے پیغام

کو عام کرسکیں، ہم نے سنا اور پڑھا ہے کہ شہروں میں بازاروں میں اور مسجدوں میں ابن زیادہ کے آلودہ دربار میں، یزید کے دربار میں، ہرجگہ تقریریں کیں اور یزید کے چہرے کو بے نقاب کیا۔

## امام حسینؓ کے اخلاق

حضرت حسینؓ کی 56 برس کی زندگی میں ہر ہر قدم پر للّٰہیت نظر آتی ہے حضرت حسین کی زندگی کا ہر لمحہ فناء فی اللہ تھا ان کی ساری زندگی پاکیزگی، بندگی اور رسالت محمدیہ کی نشر واشاعت میں گزری، ہماری محدود نگاہیں ان کی وسعتوں کا اندازہ نہیں کرسکتیں، آپ کو نماز، خدا سے راز و نیاز، تلاوت قرآن دعا اور استغفار سے بڑا لگاؤ تھا، بسا اوقات روزانہ سینکڑوں رکعت نماز پڑھتے تھے، یہاں تک کہ زندگی کے آخری شب و روز نیاز میں گذاری، دشمنوں سے رات بھر کی مہلت اس لئے مانگی تا کہ جی بھر کر خدا کی عبادت کرسکیں۔

اس وقت آپ نے ارشاد فرمایا کہ: خدا جانتا ہے کہ مجھے نماز، تلاوت قرآن، دعا اور استغفار بے حد پسند ہے، آپ متعدد بار پیدل حج کرنے تشریف لے گئے، بہت ہی خضوع وخشوع ،انکساری اور بندگی کی حالت میں حضرت خیمہ سے باہر تشریف لائے، اپنے اصحاب اور فرزندوں کے ہمراہ پہاڑ کے دامن میں داہنی طرف کھڑے ہوئے اور اپنا رخ کعبہ کی طرف کیا، ایک ناتواں فقیر کی طرح ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کیا اور یہ دعا پڑھی: حمد اور ستائش ہے اس خدا کی جس کے حکم کو کوئی چیز ٹال نہیں سکتی اور کوئی شئے اس کی بخشش اور عطا کو روک نہیں سکتی، سخاوت وکرم میں اس کا ہاتھ کھلا ہوا ہے اس نے ہر چیز کو اپنی حکمت سے مستحکم اور پائیدار بنایا ہے، کسی کی پوشیدہ تلاش و جستجو اس سے مخفی نہیں ہے، جو چیز اس کے سپرد کی جاتی ہے وہ برباد نہیں ہوسکتی، وہی ہر ایک کو جزا وسزا دیتا ہے، قناعت پسندوں کے حالات کی اصلاح کرتا ہے، اور وہ ناتواں اور ضعیفوں پر رحم

کرنے والا ہے، اور منافع کو نازل کرنے والا ہے، وہ دعاؤں کو سنتا ہے، اور مصیبتوں کو دور کرتا ہے نیکو کاروں کے درجات کو بلند کرتا ہے اور ستم گروں کو ذلیل کرتا ہے وہ ایک جامع اور نورانی کتاب قرآن کا نازل کرنے والا ہے، اس کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہے کوئی اس جیسا نہیں ہے، وہ سننے والا ہے، دیکھنے والا ہے، لطیف اور ہر چیز سے واقفیت رکھنے والا اور تمام چیزوں پر قدرت رکھنے والا ہے۔

## حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی دعا

خدایا میں تیری بارگاہ میں حاضر ہوں تیری ربوبیت کی گواہی دیتا ہوں، اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ تو میرا پروردگار ہے اور تیری ہی طرف میری بازگشت ہے، میرے نام ونشان سے پہلے تو نے مجھ پر نعمتوں کا آغاز کیا اور مجھے خاک سے پیدا کیا، ایک معین ہدایت کیلئے صحیح وسالم بنا کر اس دنیا میں وجود عطا کیا، جب میں گہوارہ میں بالکل کم سن بچہ تھا اس وقت میری حفاظت کی پاکیزہ دودھ میری غذا قرار دی، پرورش کرنے والیوں کے دلوں میں میرے حق میں نرمی پیدا کی، مادر مہربان کو تربیت کا ذمہ دار قرار دیا، مجھے محفوظ رکھا اے رحمن ورحیم تو بہت بلند ہے، یہاں تک کہ میں نے بولنا شروع کیا، اور تو نے اپنی تمام نعمتیں مجھ پر نازل کیں، ہر سال میری پرورش کی یہاں تک کہ میری تخلیق مکمل ہوگئی، اور میرے قویٰ متعدل ہوگئے تو نے مجھ پر اپنی حجت تمام کی، اور اپنی معرفت مجھے عطا کی، اپنی حکمت کے نمونے دکھا کر مجھے حیرت زدہ کیا، آسمان وزمین کی بے مثال خلقت کی طرف مجھے متوجہ کیا شکر اور اپنی یاد کی توفیق عنایت کی، اپنی عبادت اور بندگی مجھ میں واجب کی جو چیزیں انبیاء لائے اور مجھے آگاہ کیا، اور ان کے قبول کرنے پر اپنی خوشنودی کا اظہار کیا، ان تمام مراحل میں ہر ہر قدم پر تیرا لطف وکرم میرے ہمراہ تھا، یہ سب تیرا احسان ہے۔

خدایا! تو نے یہ گوارا نہ کیا کہ بعض نعمتوں سے مجھے محروم رکھے، خدایا یہ تیرا احسان عظیم ہے

کہ تو نے مختلف قسم کی کھانے پینے کی چیزیں اور طرح طرح کے لباس مجھے عطا کئے، جب تو نے مجھے ہر قسم کی نعمتوں سے نوازدیا اور ہر طرح کی مصیبتوں کو مجھ سے دور کیا، اس کے باوجود بھی میری کوتاہیوں نے تجھے اس بات پر آمادہ نہ کیا کہ وہ چیزیں عطا نہ کرے جو تیرے قرب کا باعث ہوں اور وہ اسباب فراہم نہ کرے جو تیری نزدیکی کا سبب ہوں۔ خدایا! میں تیری کن کن نعمتوں کو شمار کروں اور کن کن باتوں پر تیرا شکرادا کروں، تیری نعمتیں اور بخشش اتنی زیادہ ہیں کہ شمار کرنے والے ان کو شمار نہیں کر سکتے، جن مصیبتوں، پریشانیوں اور بلاؤں کو مجھ سے دور کیا ہے وہ صحت وسلامتی کی ان نعمتوں سے کہیں زیادہ ہیں، جنہیں میں جانتا ہوں۔ خدایا! تجھے اپنے ایمان پر گواہ قرار دیتا ہوں، خدایا اگر میں ہمیشہ زندہ رہوں اور ہر آن تیری نعمتوں کا شکرادا کرتا ہوں تب بھی اس بات سے قاصر ہوں کہ تیری کسی ایک نعمت کے شکر کا حق ادا کر سکوں۔

خدایا! مجھے ایسا بنادے کہ میں تجھ سے ڈروں اس طرح سے کہ گویا تجھے دیکھ رہا ہوں اور مجھے تقویٰ و پرہیز گاری کی نعمت عطا فرما، ارتکاب معصیت کی خاطر مجھے رسوا نہ کر، پروردگار! میرے دل وجان میں استغناء، میرے دل میں یقین میرے عمل میں اخلاص، میری نگاہ میں بصیرت اور دین میں آگاہی عطا فرما، اور مجھے اپنے اعضاء وجوارح سے بہرہ مند فرما۔

خدایا! میں تیری بے شمار نعمتوں، گرانقدر بخششوں کو شمار نہیں کر سکتا، میرے مولا! تو نے ہی مجھ پر کرم کیا، تجھ ہی نے نعمت دی، تجھ ہی نے میرے حق میں اچھائیاں کیں تو نے ہی فضیلتوں کا برتاؤ کیا۔ تو نے ہی اپنی بخششوں کی تکمیل کی، تو نے ہی روزی دی، تو نے ہی توفیق عطا کی تو نے ہی نوازشیں کیں، تو نے ہی مجھے مستغنی کیا، تو نے ہی عزت دی، تو نے ہی پناہ دی، تو نے ہی میرے بڑے بڑے کام انجام دیئے، تو نے ہی نے خطائیں معاف کیں، تو نے ہی مدد کی، تو نے ہی قوت دی، تو نے ہی شفا عطا کی، تو نے ہی سلامتی عطا کی، تو نے ہی سربلند کی، تَبَارَکْتَ رَبِّیْ وَتَعَالَیْتَ

فَلَکَ الْحَمْدُ دَائِماً لَکَ الشُّکْرُ وَالصَّبَا، تو بزرگ و برتر ہے اے میرے پردوگار، حمد وستائش تا ابد تیری ذات سے مخصوص ہے پس خدایا میں اپنی لغزشوں کا اعتراف کرتا ہوں، میرے گناہوں کو معاف کردے اور خطاؤں سے درگزر فرما۔

اس دن حضرت حسینؓ نے اس دعا کے ذریعہ لوگوں کو اس طرح خدا کی طرف متوجہ کیا کہ گریہ کی آوازیں بے شمار ہوگئیں، ہر شخص ان کے ایک ایک لفظ پر دل کی گہرائیوں سے آمین کہہ رہا تھا۔

## حضرت حسینؓ کے اوصاف

حضرت حسینؓ بہت زیادہ روزہ رکھتے تھے، راہ حق میں صدقہ دیتے تھے، اور تمام نیک کام انجام دیتے تھے۔ ’’حسین ابن علیؓ کی شخصیت اتنی بلند تھی کہ اس کا کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا، جس وقت آپ اپنے بھائی حضرت حسنؓ کے ساتھ پیدل حج کو تشریف لے جاتے تھے اس وقت اسلام کی بڑی بڑی شخصیتیں آپؓ کے احترام میں پیادہ (پیدل) ہوجاتی تھیں، معاشرہ میں امام حسینؓ کو جو احترام حاصل تھا اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ آپ سماج میں زندگی بسر کرتے تھے، لوگوں سے کنارہ کش نہیں رہتے تھے دل وجان سے سماج کے مسائل میں شریک رہتے تھے، دوسروں کی طرح خود بھی مصائب ومشکلات برداشت کرتے تھے، خدائے واحد کے ایمان واعتقاد نے انہیں لوگوں کا غمخوار بنادیا تھا، ورنہ ان کے پاس نہ محل تھا نہ دو محلے اور نہ کمر بستہ غلام، نہ دربان تھے نہ صاحب ان کی زندگی بادشاہوں جیسی نہ تھی، اس سے اندازہ ہوجاتا ہیکہ سماج میں آپ کا طرز زندگی کیا تھا۔‘‘ ایک روز آپؓ ایک جگہ سے گزر رہے تھے کچھ فقیر اپنی عباؤں کو بچھائے بیٹھے ہوئے تھے اور سوکھی روٹی کھانے میں شریک ہوگئے اور فرمایا: ’’اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُتَکَبِّرِیْنَ۔‘‘ خدا تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اس کے بعد فرمایا: میں نے تمہاری دعوت قبول کی، اب تم لوگ

میری دعوت قبول کرو، ان لوگوں نے حضرت کی دعوت قبول کر لی اور آپ کے ساتھ گھر آ گئے، حضرت نے حکم دیا کہ جو کچھ موجود ہے ان کیلئے لے آؤ'' اس طرح حضرت نے ان کی خاطر بھی کی اور تواضع وانکساری کا درس بھی دیا، شعیب بن عبدالرحمن فزاعی کا بیان ہے کہ ''جب حضرت حسین شہید کر دیئے گئے، آپ کی پشت مبارک پر گھٹے کے نشانات دیکھے گئے، لوگوں نے امام زین العابدینؒ سے اس کا سبب دریافت کیا، امام نے فرمایا میرے والد شب کی تاریکی میں پشت پر روٹیاں رکھ کر بیواؤں، یتیموں اور فقیروں میں تقسیم فرماتے تھے، یہ اسی کے نشانات ہیں۔''

## حسنین رضی اللہ عنہم کو خطبہ کے دوران گود میں بٹھانا

حضرت عبداللہ اپنے والد حضرت بریدہ ص سے روایت کرتے ہیں:

**''كان النبی ا يخطب فجاء الحسن و الحسين رضی الله عنهما و عليهما قميصان احمران يعثر ان فيهما فنزل النبی ا فقطع كلامه فحملهما ثم عاد إلى المنبر ثم قال صدق الله ''انما اموالكم و اولادكم فتنة'' رأيت هذين يعثران في قميصهما فلم اصبر حتیٰ قطعت كلامی فحملتهما''** (مسلم، باب أمر الائمۃ بتخفیف الصلاۃ فی تمام:۱/۱۸۸)

''نبی کریم ا خطبہ دے رہے تھے، اتنے میں حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما آئے، اور دونوں نے سرخ لباس پہن رکھا تھا، جس میں وہ الجھ کر گر جاتے تھے، آپ منبر سے اترے اور کلام (خطبہ) روک دیا، پھر دونوں کو اٹھا کر منبر پر لوٹ آئے، پھر آپ نے ''إنما أموالكم'' کی تلاوت فرمائی، اور فرمایا: ان دونوں کو کپڑوں میں گرتے ہوئے دیکھا تو صبر نہیں کرسکا، یہاں تک کہ خطبہ روک کر دونوں کو اٹھالیا''۔

حسنین رضی اللہ عنہما کی عمر آپ ا کی وفات کے وقت سات آٹھ سال سے زیادہ نہیں

تھی، (۱) اس حدیث میں مذکور واقعہ اتفاقی نہیں ہے؛ بلکہ حضرات حسنین اکثر نماز کے اوقات میں مسجد آجاتے تھے، امام احمد بن حنبلؒ نے روایت کیا ہے کہ بسا اوقات حضرت حسن ص نماز کے دوران ہی آپ اکی پیٹھ پر سوار ہو جاتے تھے۔ (۲) اور آپ انے کبھی کوئی سرزنش نہیں فرمائی۔

## حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی سخاوت

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پاس ایک فقیر آیا اور صدا لگائی کہ اللہ کے واسطے کچھ دیدو، حضرت حسین رضی اللہ عنہ بالاخانہ سے نیچے اترے اور پوچھا کتنا چاہئے؟ تو فقیر نے کہا کہ ایک دینار، تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے سو دینار والی تھیلی اس فقیر کو دیدی، خادم نے کہا کہ اس نے تو صرف ایک دینار مانگا تھا آپ نے سو دینار کی تھیلی اس کے سپرد کردی؟ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس نے اپنی حیثیت کے مطابق مانگا اور اللہ نے جو کچھ مجھے عطا کیا میں نے اس میں سے اپنی حیثیت کے مطابق دیا ہے۔ کیا کوئی سخی دنیا میں ایسا ہے جو اس قدر نواز دے، آج تو ہمارے گھروں کا یہ حال ہے کہ جہاں دل چاہے گا وہاں ہزاروں لاکھوں روپئے خرچ کریں گے اور فضول خرچی کرنے سے بھی گریز نہیں کریں گے مگر فقیر دروازے پر آجائے تو اس کو بھیک دینے کے لئے تیار نہیں، اگر دیں گے بھی تو دس بات سنا کر دیں گے۔

دیہات سے ایک شخص حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور سوال کیا، حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے دس ہزر بکریاں اور ایک لاکھ دس ہزار درہم دیئے، پھر وہ شخص حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ بھائی صاحب کے پاس نہیں گئے تھے؟ تو اس نے کہا کہ دس ہزار بکریاں اور ایک لاکھ دس ہزار درہم دیئے تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میرے پاس پہلے آتے تو بہت کچھ دیتا مگر اب بھائی صاحب سے آگے نہیں بڑھ سکتا ہوں چنانچہ دس ہزار بکریاں اور ایک لاکھ دس ہزار درہم اس دیہاتی کو عنایت فرمائے۔ اس قدر

قربانی اور سخاوت کا جذبہ آج ہمارے اندر کہاں ہے؟ آج تو ہمارا یہ حال ہے کہ زکوٰۃ دینے سے کتراتے ہیں، اس کو ایک تاوان اور بوجھ سمجھتے ہیں، لمبی لمبی نمازیں پڑھنے والے ذکر واذکار کرنے والے جب زکوٰۃ دینے کا نمبر آتا ہے تو غریب اور فقیر بن جاتے ہیں، مسلمانوں کی پستی کے جہاں بہت سارے اسباب ہیں ان میں سے ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ مسلمانوں نے صحیح طور پر زکوٰۃ ادا کرنا چھوڑ دیا ہے۔ مگر صحابہ کرام ایک ایک پائی کا حساب کرکے زکوٰۃ ادا کیا کرتے تھے اور ضرورت پڑنے پر خود تو فاقہ کر لیتے مگر کسی فقیر کو خالی ہاتھ واپس نہیں لوٹاتے تھے جبھی تو اللہ تعالیٰ نے اتنا بڑا انعام ومرتبہ ان کو عطا فرمایا۔

الغرض حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے دین کی خاطر بہت مال وزر بھی خرچ کیا اور جب ضرورت پڑی تو اپنی جان کا نذرانہ بھی پیش فرما دیا بلکہ اپنے گھر کے بہتّر (۷۲) افراد کو بھی جام شہادت نوش کرا دیا۔ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ؎

شاہ است حسین بادشاہ ست حسین

سردار چہ داد دست یزید حقا کہ شاہ است حسین

حسین پاک ہیں، حسین بادشاہ ہیں، یزید کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں یعنی اس کی بیعت قبول نہیں کی، حق کی بنیاد ہیں حسین۔

چونکہ یزید غلطی پر تھا اس لئے اس کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی، جس کے نتیجہ میں ان کو اور ان کے گھر کے بہتر (۷۲) افراد کو شہید کیا گیا۔ اب ایک بات عرض کرکے اپنی بات ختم کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ اہل بیت سے محبت رکھنا ایمان میں داخل ہے، اگر اہل بیت سے محبت نہیں تو ایمان میں ہی فتور ہے اور یزید کو برا کہنے کے ساتھ ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی برا بھلا مت کہیں کیونکہ وہ اعلیٰ درجہ کے صحابی ہیں، کاتب وحی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے برادر نسبتی ہیں۔ ہمارے شیخ اور

پیرومرشد حاجی مصطفی کامل رحمۃ اللہ علیہ جوحضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے نبیرہ تھےاور شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ بھی تھےاور حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے بھی مجاز تھے انھوں نے ایک بار بڑی عجیب وغریب بات بیان فرمائی کہ لوگ یزید کو گالیاں دیتے ہیں، کل اگر حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اللہ سے عرض کیا کہ یا اللہ یزید کی مخالفت کی وجہ سے مجھے شہادت کا مقام ملا، اگر یزید کی مخالفت نہ کرتا تو مجھے شہادت کا جام نہ ملتا اسلئے میں یزید کو معاف کرتا ہوں تو یزید کو گالیاں دینے والے کہاں جائیں گے؟ میں یہ نہیں کہتا ہوں کہ آپ یزید سے محبت رکھیں لیکن گالیاں دینے سے تو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا اس لئے زبان کو قابو میں رکھیں۔

## حضراتِ حسنین کا اندازِ تبلیغ

علامہ کردری رحمہ اللہ نقل فرماتے ہیں کہ حضور اکرم کے مقدس نواسوں (حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما) نے ایک مرتبہ دریائے فرات کے کنارے ایک بوڑھے دیہاتی کو دیکھا کہ اس نے بڑی جلدی جلدی وضو کیا اور اسی طرح جلدی جلدی نماز پڑھی، اور جلد بازی میں وضو اور نماز کے مسنون طریقوں میں اس سے کوتاہی ہوگئی۔ حضرت حسن وحضرت حسین نے اسے سمجھانا چاہا۔ اُنھیں یہ اندیشہ ہوا کہ یہ بوڑھا آدمی ہے اپنی غلطی سُن کو کہیں مشتعل نہ ہو جائے، چنانچہ دونوں حضرات اُس بوڑھے کے قریب آئے اور کہا: ہم دونوں جوان ہیں اور آپ تجربہ کار آدمی ہیں آپ وضو اور نماز کا طریقہ ہم سے بہتر جانتے ہوں گے، ہم چاہتے ہیں کہ آپ کو وضو کر کے اور نماز پڑھ کے دکھائیں۔ اگر ہمارے طریقہ میں کوئی غلطی یا کوتاہی ہو تو آپ ہماری رہنمائی فرمائیں اس کے بعد دونوں نے سنت کے مطابق وضو کر کے نماز پڑھی، بڑے میاں نے دیکھا تو اپنی کوتاہی سے توبہ کی اور آئندہ یہ طریقہ چھوڑ دیا۔ (۱۱حیاء العلوم ج ۳ ص ۲۴۹ بحوالہ فضائل صدقات ص ۲۰۳، مناقب الامام الاعظم للعلمۃ الکردری)

تبلیغ کا یہ انداز وہی ہے جسے قرآن نے اُدۡعُوۡ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّكَ بِالۡحِکۡمَةِ وَالۡمَوۡعِظَةِ الۡحَسَنَةِ ۔سے تعبیر کیا ہے۔اس انداز تبلیغ کو جس نے بھی اپنایا وہ کامیاب رہا، یہ انداز ہمارے اسلاف سے منتقل ہوکر ہمارے اکابر تک پہونچا اور اُنہوں نے بھی اس انداز تبلیغ سے مخلوق کی رہنمائی کی۔مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ کا ایک واقعہ نظر سے گزرا وہ بھی ملاحظہ فرماتے چلیں۔

حضرت تھانوی تحریر فرماتے ہیں:

شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وعظ میں ایک شخص کو دیکھا جس کا پائجامہ ٹخنوں سے نیچے تھا۔آپ نے بعد وعظ اس سے کہا ذرا ٹھہر جایئے مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔خلوت میں بٹھا کر یوں فرمایا کہ بھائی میرے اندر ایک عیب ہے کہ میرا پائجامہ ٹخنوں سے نیچے ڈھلک جاتا ہے اور حدیث میں یہ یہ وعیدیں آئی ہیں۔اور آپ اپنا پائجامہ دکھلانے کے لیے کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ خوب غور سے دیکھنا کہ کیا واقعی میرا خیال صحیح ہے یا محض وہم ہے۔اس شخص نے شاہ صاحب کے پاؤں پکڑ لیے اور کہا کہ حضرت آپ کے اندر تو یہ عیب کیوں ہوتا ہے البتہ میرے اندر ہے مگر اس طریق سے آج تک مجھے کسی نے سمجھایا نہیں تھا اب میں تائب ہوتا ہوں انشاء اللہ آئندہ ایسا نہ کروں گا۔

## وَالۡکٰظِمِیۡنَ الۡغَیۡظَ:

مندرجہ بالا عنوان سورۂ آل عمران کی ایک آیت کریمہ کا ٹکڑا ہے،اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنین متقین کی خاص صفات وعلامات بتلائی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے وہ غصہ کو پی لیتے ہیں۔اس آیت کریمہ کی تفسیر میں علامہ آلوسی نے امام بیہقی کے حوالے سے سید السادات حضرت امام زین العابدین کا ایک عجیب واقعہ ذکر کیا ہے جی چاہا کہ قارئین کی نذر کیا جائے شاید کوئی اس سے عبرت حاصل کر کے عمل پیرا ہوجائے۔

امام بیہقی نقل فرماتے ہیں: امام زین العابدین کی ایک کنیز آپ کو وضو کرارہی تھی کہ اچانک پانی کا برتن اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر امام زین العابدین کے اُوپر گرا۔ آپ کے تمام کپڑے بھیگ گئے ،غصہ آنا طبعی امر تھا، کنیز کو خطرہ ہوا تو اس نے فوراً یہ آیت پڑھی **وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ** (وہ اپنے غصہ کو پی جاتے ہیں۔ (حکایاتِ اولیاء ص ۷۳)

## حضراتِ حسنین رضی اللہ عنہما

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے نواسوں سے محبت کے سیکڑوں واقعات بہت مشہور ہیں لیکن ہمیں چوں کہ مضمون کو طوالت سے بھی بچانا ہے، اس لیے چند احادیثِ مبارکہ کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

**ان الحسن و الحسین سید الشباب اهل الجنة۔**

حسن اور حسین اہلِ جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔ (ترمذی: ۳۷۶۸، ۳۷۸۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: **من احبها فقد احبنی، و من ابغضها فقد ابغضنی۔** (المستدرک علی الصحیحین للحاکم: ۳۲۰۴، برقم: ٤٨٦٤)

جس نے ان دونوں (حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما) سے محبت کی، یقیناً اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان دونوں سے بغض کیا، یقیناً اس نے مجھ سے بغض کیا۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **هذا ابنای و ابناء ابنتی، اللّٰهم أحبهما فأحبهما و أحب من يحبهما۔**

یہ دونوں (حضرت حسن اور حسین) میرے بیٹے اور نواسے ہیں، اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں آپ بھی ان دونوں سے محبت فرمایئے اور جو ان سے محبت کرے، ان سے بھی محبت فرمایئے۔ (ترمذی: ۳۷۶۹)

## حضرت بلال حبشی مؤذنِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

امام ابونعیم اصبہانی نے حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو اصحابِ صفہ میں شمار کیا ہے۔

(حلیۃ الأولیاء:۱/۳۴۹)

مؤذنوں کے سرخیل، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام اور ان کے جگری دوست حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ ابتدائے اسلام میں مشرف بہ اسلام ہوکر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال تک آپ کے حضر وسفر کے خادم، مؤذن اور آپ کے خزانچی اور مالِ خانہ کے منتظم رہے۔غزوۂ بدر، احد اور دیگر تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے۔(۱) بلکہ غزوۂ بدر میں حضرت بلال ہی نے کفار کے سرغنہ، مغرور ومتکبر امیہ بن خلف کو موت کے گھاٹ اتارا۔(۲) حضرت بلال کی سب سے بڑی خصوصیت یہ رہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے کا انتظام آپ ہی کرتے رہے ہیں۔عبداللہ ہوزنی کہتے ہیں کہ مقامِ ''حلب'' میں حضرت بلال سے میری ملاقات ہوئی میں نے پوچھا اے بلال! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندگی کے گزارہ کے لئے خرچ کہاں سے لاتے تھے؟ حضرت بلال نے جواب دیا۔''ما کان لہ شيء کنت أنا الذی ألی ذلک منہ منذ بعثہ اللہ تعالیٰ حتی توفی صلی اللہ علیہ وسلم۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ بھی نہیں تھا آپ کی بعثت سے لے کر آپ کی وفات تک میں ہی آپ کے کھانے کا بندوبست کرتا رہا۔(طبقات ابنِ سعد:۷/۳۸۵، الاستیعاب:۱/۱۴۸، الحلیۃ:۱/۱۵۰)

## کاش! کہ بلال کو ماں نے نہ جنا ہوتا

ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو تکلیف نہیں پہنچائے گا۔حدیث شریف میں ہے: ''اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ'' (مسلمان وہ ہے جس کی زبان

اور ہاتھ کی تکلیف سے دوسرا مسلمان محفوظ ہو) صحابہ کرامؓ سے سہواً یا خطاً کوئی غلطی ہوتی تو پھر معافی مانگتے تھے، حضرت بلالؓ نے ایک دفعہ رات کو فجر کی اذان دی، لوگ بیدار ہوئے وہ رات کا وقت تھا، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ''کہ لوگوں سے معافی مانگ لو،'' صبح حضرت بلالؓ روتے روتے مدینہ کی گلیوں میں گھومتے اور لوگوں سے معافی مانگتے، اور فرماتے تھے، ''أَلَا إِنَّ الْعَبْدَ قَدْ نَامَ لَيْتَ بِلَالٌ لَمْ تَلِدْهُ أُمُّهُ'' (کاش! کہ بلال کو ماں نہ جنتی) کیونکہ میں نے لوگوں کو تکلیف پہنچائی ہے یہ تھے صحابہ کرامؓ جن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ۔

## سرداران مکہ میں حضرت بلال کا مقام

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں جو نمایاں پہلو انسانوں کے لئے رہنما ہے وہ ہے ''مساواتِ انسانی''، یعنی عرب کو عجم پر، گورے کو کالے پر، مالدار کو غریب پر کوئی فوقیت نہیں، فوقیت اور تفوق کا معیار صرف تقویٰ اور پرہیزگاری کو قرار دیا گیا ہے، کیا اس کے بعد بھی ہمیں عمل کرنے اور انسانی حقوق کو ادا کرنے میں کوئی تامل ہوسکتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جیسی ہستی حضرت بلال کو وہ مقام عطا کرتی ہے کہ آنے والی نسلیں ان کو سیدنا بلال کہہ کر پکارتی ہیں، بڑے بڑے مکہ کے سردار جو اسلام لے آئے تھے بلالؓ کے سامنے ان کا سیاسی، سماجی اور مذہبی قد نہایت چھوٹا تھا، بلالؓ اپنے وقت کے سردار ہی نہیں بلکہ سردارانِ مسلمان تھے اور کسی مسلمان کو بلالؓ کی تضحیک کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔

اس سے بڑھ کر اور کیا کہ واقعہ معراج میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ کے جوتوں کی آواز آسمانوں پر سنی۔ سرکارؐ نے فرمایا بلالؓ کو یہ مقام تحیۃ الوضو اور تحیۃ المسجد کی دو

رکعتوں پر عطا ہوا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ مہمانوں کے لئے کھانے پینے کا انتظام حضرت بلالؓ کے ذمہ تھا، وہی قرض لاکر مہمانوں کا انتظام کرتے اور کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا کردہ رقومات میں سے مہمانوں کے خوردونوش کا انتظام فرماتے گویا دربار نبوت کے آپ وزیر خوراک یا وزیر مالیات تھے، ابھی میں نے آپ کے سامنے جو حدیث شریف تلاوت کی ہے وہ صحیح بخاری میں کتاب الایمان میں بیان کی گئی ہے۔

## حضرت بلالؓ اور حضرت ابوذر غفاریؓ کی دعا

ابوذر غفاریؓ نے آواز پہچان لی اور فرمایا کہ اے بھائی بلال! کیا کر رہے تھے؟ کہا بھائی! میں اللہ کی بارگاہ میں توبہ کر رہا تھا، دونوں کا مشورہ ہوا کہ ایک آدمی دعا کرے گا اور دوسرا آمین کہے گا، بلالؓ نے کہا کہ ابوذر! تم دعا کراؤ میں آمین کہوں گا، اور جب تمہاری دعا پوری ہوجائے گی تو پھر میں دعا کروں گا اور تم آمین کہنا، حدیث میں وہ الفاظ تو نہیں کہ کن الفاظ کے ساتھ دعا کی گئی، بس اتنا ہے کہ وہ دعا کرا رہے تھے اور بلال آمین کہہ رہے تھے، دعا میں حضرت ابوذرؓ نے کہا کہ اے اللہ! جنت میں ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رکھنا، تو بلال خاموش ہوگئے، ابوذرؓ نے سوچا کہ شاید بلال سمجھ نہیں سکے ہیں تو زور سے کہا کہ جنت میں ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رکھنا، بلال پھر بھی خاموش تھے کئی مرتبہ یہی دعا مانگی پھر بھی بلال خاموش تھے، تو ابوذرؓ نے سوچا کہ آخر بلال خاموش کیوں ہیں؟ آمین کیوں نہیں کہہ رہے ہیں، دعا روک کر کہا کہ اے میرے بھائی! تم آمین کیوں نہیں کہہ رہے ہو؟ دیکھا کہ بلال تو بے ہوش ہیں ان کو ہوش میں لانے کے لئے تھوڑا سا وقت لگا، جب ہوش میں آئے تو ابوذر نے پوچھا کہ بلال! تم میری دعا پر آمین کیوں نہیں کہہ رہے تھے؟ اللہ اکبر، حضرت بلالؓ نے جواب دیا کہ اے ابوذرؓ! آخر تم نے ایسا کون سا عمل

کیا ہے کہ تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنت میں رہنے کی تمنا کرنے لگے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام کہاں ہے اور ہم غلامانِ رسول کہاں؟ ہم کو تو اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں ایمان کی دولت عطا فرمادی یہی کتنی بڑی چیز ہے، ارے حضور تو مقام محمود پر فائز ہیں، ساری کائنات انسانی سے اونچا مقام ہے، تمہارے اندر اتنی جرأت کیسے پیدا ہوگئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنت میں رہنے کی تمنا کرنے لگے؟ غلام اور آقا میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو سارے نبیوں کے امام ہیں، سارے رسولوں کے رسول اور سردار ہیں، ابوذرؓ نے جب یہ سنا تو کہنے لگے کہ مجھ سے تو بہت بڑی غلطی ہوگئی ، ہمیں ایسا کہنا چاہئے کہ اے اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑے سے بڑا اور اونچے سے اونچا مقام عطا فرما اور ان کے صدقہ میں ہمیں بھی جنت عطا فرما۔

## بدصورتی نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ناکام نہیں کیا

حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو دیکھیے کہ وہ ظاہر میں کالے کلوٹے تھے، بظاہر بدصورت تھے ؛لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو اتنا اونچا مقام و مرتبہ عطا کیا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار بعد نمازِ فجر کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے بلال! مجھے بتاؤ کہ تم نے اسلام میں وہ کونسا عمل کیا ہے، جو زیادہ قابلِ امید یعنی ثواب کی امید والا ہے؛ کیوں کہ میں نے جنت میں میرے آگے تمہارے جوتوں کی آواز محسوس کی ہے۔ حضرت بلال نے عرض کیا کہ میں نے جب بھی وضو کیا، رات میں یا دن میں، تو ضرور حسبِ توفیق نماز پڑھی ہے۔ (بخاری:۱۱۴۹)

یہ واقعہ بعض علما کے نزدیک معراج کا ہے اور بعض نے اس کو ترجیح دی ہے کہ یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا تھا۔

بھائیو! یہ بلال حبشی رضی اللہ عنہ کا مقام ہے، صورت میں تو کالے وبھونڈے؛ لیکن اللہ کے

نزدیک ان کا مقام ومرتبہ اتنا اونچا؛ اس لیے کہ انہوں نے اپنے دل کو دل بنالیا تھا، جنہوں نے بھی اپنے دل کو دل بنالیا، ان کا یہ مقام ہوتا ہے اور جنہوں نے اپنے دل کو پتھر کی سِل بنالیا، ان کا انجام بھی آپ نے سن لیا کہ ابولہب کا کیا حشر ہوا؟

تو معلوم ہوا کہ اصل چیز دل کو بنانے کی محنت ہے، اس لیے آدمی کو چاہیے کہ اپنے دل کو بنانے کی فکر میں لگ جائے اور اپنے آپ کو واقعی انسان بنانے کی فکر میں اور جد وجہد میں لگا دے۔

## حضرت بلالؓ پر ظلم

صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی داستان کتنی اندوہناک، غمناک اور تکلیف دہ ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا قصہ اکثر سنتے رہتے ہیں کہ اُن کے پیر رَسّی سے باندھ دیے اور اُن کو گھسیٹتے پھر رہے ہیں۔ مناظر احسنؒ گیلانی نے لکھا ہے کہ جب کتّے مرجاتے ہیں تو مہتر پیروں میں رَسّی ڈال کر گھسیٹتے ہیں، یہاں (ظالموں کا سلوک یہ ہے کہ) زندہ انسانوں کے پیروں میں رَسّی ڈال کر اُن کو گھسیٹا گیا ہے۔ قریش میں بھی ایسے کتّا صفت انسان تھے۔ ایک آدمی زندہ ہے، اُس کے پیروں میں رَسّی ڈال کر شرارتی بچوں کے حوالے کر دیا کہ اس کو گلیوں میں گھسیٹو۔ ۲؎ ایسے موقع پر پیٹھ کا کیا حال ہوتا ہے، چہرے کا کیا حال ہوتا ہے۔ گرم ریت اور اَنگاروں پر لٹایا جا رہا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کتنے مہذب اور شائستہ آدمی تھے، جب اُن کے چچا کو معلوم ہوا تو وہ اُنہیں چٹائی میں لپیٹ دیتا تھا اور ایک طرف سے دھواں دیتا تھا۔ یہی تو جبر ہے کہ تم اسلام کو چھوڑ دو۔ ۱؎ یہی تو جبر ہے کہ تم اسلام کو چھوڑ دو۔

## حضرت بلالؓ کا قبر مبارک کی زیارت کیلئے سفر کا عجیب وغریب واقعہ

حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ حضرت بلالؓ کو خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی

زیارت ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''ماھذہ الجفوۃ یا بلال، اما ان لک ان تزورنی یا بلال''۔ ''بلال یہ کیا بے وفائی ہے؟ کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ تم میری زیارت کے لئے (مدینہ) آؤ'' بلال رضی اللہ عنہ گھبراہٹ کی عالم میں نیند سے بیدار ہوئے، سواری پر سوار ہوئے۔ مدینہ منورہ پہنچے، اور قبر مبارک پر حاضری دی، وہاں روتے رہے، اپنے چہرے کو قبر مبارک پر ملتے رہے۔ اتنے میں حسن رضی اللہ عنہ وحسین رضی اللہ عنہ آ گئے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے دونوں کو گلے سے لگالیا پیار کیا، نواسوں نے فرمائش کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں جو اذان دیا کرتے تھے ہم وہی اذان سننا چاہتے ہیں، اوپر چڑھیئے اور اذان دیجیئے، بلال رضی اللہ عنہ اس جگہ کھڑے ہو گئے جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں کھڑے ہوکر اذان دیا کرتے تھے، اذان شروع کی، ''اللہ اکبر، اللہ اکبر'' کہا تو سارا مدینہ حرکت میں آ گیا، ''اشھد ان لا الہ الا اللہ'' کہا تو یہ حرکت شدید ہوگئی۔ ''اشھد ان محمداً رسول اللہ'' کہا تو عورتیں بھی باہر نکل آئیں اور لوگ سوالیہ انداز میں کہنے لگے کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (دوبارہ) مبعوث کر دیئے گئے؟ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد جتنا اس دن مدینہ کی عورتیں اور مرد روئے اتنا رونا کسی اور دن نہیں دیکھا گیا'' (رواہ ابن عساکر وقال الشیخ تقی الدین السبکی: اسنادہ، جید، آثار السنن ۷ ۵۴، حدیث ۱۱۱۳، تاریخ دمشق لابن عساکر ج ۵ ص ۲۶۵)

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے شام سے مدینہ منورہ کا سفر خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر کیا اور خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی زیارت ہے، حدیث شریف میں ہے: ''**من رانی فی المنام فقد رانی، فان الشیطان لا یتخیل بی**''۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۲۵۶۸، حدیث: ۶۹۹۴)

''جس شخص نے خواب میں مجھے دیکھا، اس نے (حقیقت میں) مجھے ہی دیکھا، اس لئے کہ شیطان میری صورت نہیں بنا سکتا'' حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا عمل قبر مبارک کی زیارت کیلئے سفر کے مستحب

ہونے پر واضح دلیل ہے۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر یہ سفر واجب تھا، اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود آپ کو اس سفر کا حکم فرمایا تھا، واللہ سبحانہ اوعلم

آخر میں قران کریم کی ایک آیت ملاحظہ فرمائیں:

**''ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاء وك فاستغفروا الله واستغفرلهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيماً۔** (سورۃ النساء آیت ۶۴)

''اور اگر جس وقت اپنا نقصان کر بیٹھے تھے اس وقت آپ کی خدمت حاضر ہو جاتے پھر اللہ تعالی سے معافی چاہتے اور رسول بھی ان کے لئے اللہ تعالی سے معافی چاہتے تو ضرور اللہ تعالی کو توبہ کا قبول کرنے والا رحمت کرنے والا پاتے۔ (بیان القران ج۱ ص۱۲۹)

یہ آیت گو منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی کہ اگر منافقین آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بغرض توبہ حاضر ہوں اللہ سے معافی مانگیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ان کیلئے مغفرت کریں تو اللہ تعالی ان کو معاف کر دیں گے۔ لیکن اپنے الفاظ کے عموم کی بناء پر یہ آیت ہر اس شخص کے بارے میں ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اللہ تعالی سے مغفرت طلب کرے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس کے لئے اللہ تعالی سے مغفرت طلب کریں تو اللہ تعالی اس کو بخش دیں گے۔ اور یہ معاملہ جیسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ میں تھا آج بھی ایسے ہی ہے قبر مبارک پر حاضری، دربار رسالت میں حاضری کی مثل ہے۔ ایک مرتبہ مروان نے دیکھا کہ ایک شخص قبر مبارک پر اپنا چہرہ رکھ کر بیٹھا ہے۔ مروان نے گردن سے پکڑ لیا دیکھا تو وہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ تھے مروان نے کہا ''اتدری ماذا تصنع'' تم جانتے ہو کہ کیا کر رہے ہو؟ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایاہاں مجھے معلوم ہے میں کیا کر رہا ہوں۔ پھر فرمایا ''میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں کسی پتھر کے پاس نہیں آیا ہوں۔

علامہ ابن قدامہؒ اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے لکھا ہے کہ آج بھی اگر کوئی شخص قبر مبارک پر حاضر ہو، اور اللہ تعالی سے مغفرت طلب کرے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے گناہوں کی بخشش کیلئے شفاعت فرمائیں گے۔ اور اللہ تعالی اس کے گناہ معاف فرمادیں گے۔ انشاء اللہ۔

(المغنی لابن قدامۃ ج ۲ ص ۴۹۰، معارف القران ج ۲ ص ۴۶۰)



# سحر، ساحرین، جنات اور شیاطین سے نجات کا مجرب نسخہ

سلسلہ کے تمام حضرات اس مضمون کو بار بار پڑھ کر ہرحرزِ جان بنالیں اور پورا پورا استفادہ کریں۔

﴿حضرت حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے نہایت قیمتی ملفوظات﴾

## ﴿جنات کیسے بھاگتے ہیں؟﴾

**فرمایا:** سالک طریقت کی پیشانی کے نور سے مومن جنات گرویدہ ودیگر جنات وشیاطین بھاگ جاتے ہیں، یہ نور ازلی ہوتا ہے، ہر پریشانی میں موجود ہوتا ہے، لیکن مستور ہوتا ہے، نفس کی کدورت کی جھلی اس نور کو محجوب کئے ہوتی ہے۔

نفس جب کدورت سے پاک ہوتا ہے تو یہ نور منور ہوجاتا ہے، جگمگا اٹھتا ہے، ورنہ کسی اور طرح یہ حجاب نہیں اٹھ سکتا، بھاویں سوسو حیلے کرو، قرآن کریم کی تلاوت کے نور کا جلال جنات وشیاطین کو جلا دیتا ہے، کوئی بھی تاب نہیں لاسکتا۔

## ﴿قرآن شریف شیطان کو کیسے جلاتا ہے﴾

**فرمایا:** سالک جب قرآن شریف کی تلاوت میں محو ہوتا ہے قرآن مجید کے نور کے جلال سے ہمزات شیاطین لاغر نحیف اور بے بس ہوکر توبہ توبہ کرنے لگتے ہیں، قرآن کریم کی تلاوت کے نور کا جلال شیطان کو جلا دیتا ہے، تلاوت قرآن، نماز، ذکران تینوں میں ہر مرض سے کلی شفاء ہے، ان تینوں کی کثرت مساعی ہو یہی سلف صالحین کا نسخۂ کیمیا ہے۔

## شیطان سے بچنے کا ہتھیار

**فرمایا:** دیکھئے بیت اللہ، اللہ تعالی کا گھر ہے ابرہہ نے چاہا تھا کہ اس گھر کے اوپر قبضہ

جمائے، اللہ تعالی نے ابابیلوں کو مسلط کردیا، انہوں نے کنکریاں مار مار کر اس کے پورے لشکر کو کھائے ہوئے بھس کی طرح بنا دیا، بالکل اسی طرح انسان کا دل اللہ تعالی کا گھر ہے، اگر شیطان اس کی طرف قدم بڑھانا چاہے تو آپ لا الہ الا اللہ کی ضربوں سے اور اللہ اللہ کے الفاظ سے اس کے اوپر پتھروں کی بوچھاڑ کیجئے، پھر دیکھئے کہ اللہ آپ کو شیطان سے محفوظ فرما لیں گے اور قرآن پاک میں اللہ تبارک وتعالی نے ارشاد فرمایا: إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُمْ مُبْصِرُونَ۔ (سورہ الاعراف، آیت:201)

ترجمہ: بلاشبہ جنہوں نے تقوی اختیار کیا جب شیطان کی طرف سے کوئی خیال بھی ان کو چھوتا ہے تو وہ اللہ کا ذکر کر لیتے ہیں تو ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔



# شجرہ : سلسلۂ چشتیہ (منظومہ: حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ)

سلاسل اربعہ کے مشائخ کا مشاہدہ اور تجربہ ہے کہ مشائخ کا شجرہ انفرادی اور اجتماعی طور پر پڑھنے سے مصائب دور، مسائل حل اور مقاصد پورے ہوتے ہیں، اسلئے باجازت شیخ اس کا اہتمام کرنا چاہئے۔

(حضرت مولانا) محمد علاء الدین صاحب قاسمی مدظلہ العالی

**خلیفہ ومجاز بیعت**

حبیب الامت حضرت مولانا ڈاکٹر حکیم ادریس حبان رحیمی رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ ومجاز: حضرت حاذق الامت مولانا ذکی الدین صاحب پرنامبیؒ

خلیفہ ومجاز: مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب جلالآبادیؒ

خلیفہ ومجاز: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

حمد ہے سب تیری ذات کبریا کیواسطے
اوردر ودونعت ختم الانبیاء کیو اسطے

اورسب اصحاب وآل مجتبیٰ کے واسطے
رحم کر مجھ پر الٰہی اولیاء کے کے واسطے

بالخصوص ان اولیائے باصفا کے واسطے
مولوی اشرف علی شمس الہدیٰ کے واسطے

حاجی امداد اللہ ذوالعطا کے واسطے
حاجی عبدالرحیم اہل غزا کے واسطے

شیخ عبدالباری شہِ بے ریا کے واسطے
شاہ عبدالہادی پیر ہدے کے واسطے

شاہ عضدالدین عزیز دوسرا کے واسطے
شہ محمداورمحمدی اتقیا کے واسطے
شہ محب اللہ شیخ باصفا کے واسطے
بوسعید اسد اہل ورا کے واسطے
نشہ نظام الدین بلخی مقتدا کے واسطے
شہ جلال الدین جلیل اصفیا کیواسطے
عبدقدوس شہ صدق وصفا کیواسطے
اے خدا شیخ محمد راہنما کے واسطے
شیخ احمد عارفِ صاحب عطاء کیواسطے
احمد عبدالحق شہ ملکِ بقا کیواسطے
شہ جلال الدین کبیر اولیاء کے واسطے
شیخ شمس الدین ترک باضیا کیواسطے
شیخ علاالدین صابر بارضا کیواسطے
شہ فریدالدین شکرگنج بقا کے واسطے
خواجہ قطب الدین مقتول دلا کیواسطے
شہ معین الدین حبیب کبریاء کے واسطے
خواجہ عثمان با شرم وحیا کے واسطے
خواجۂ مودود چشتی پارسا کے واسطے
شاہ بویوسف شہ شاہ وگدا کیواسطے
بومحمد محترم شاہِ وِلا کے واسطے
احمد ابدال چشتی باسخا کے وا سطے
شیخ ابواسحاق شامی خوش ادا کیواسطے

خواجہ ممشا دعلوی بوالعلا کیواسطے
بوہبیرہ شاہ بصری پیشوا کیواسطے
شیخ حذیفہ مرعشی شاہِ صفا کیواسطے
شیخ ابراہیم ادہم بادشاہ کیواسطے
شیخ حسن بصری امام اولیاء کیواسطے
ہادی عالم علی شیرخدا کیواسطے
سرورعالم محمد مصطفے کے واسطے
یاالٰہی اپنی ذاتِ کبریا کے واسطے
یاحق اپنے عاشقان باوفا کیو اسطے
یارب اپنے رحم واحسان وعطا کیواسطے
کررہائی کا سبب اس مبتلا کیو اسطے
کون ہے تیرے سوا مجھ بےنوا کیواسطے
ہے عبادت کا سہارا عابدوں کیو اسطے
ہے عصائے آہ مجھ بے دست و پا کیواسطے
بخش وہ نعمت جو کام آوے سدا کیواسطے
اپنے لطف ورحمت بے انتہا کیواسطے



# معمولات

## صبح و شام

معمولات اور ان کی تعداد کم ہوں یا زیادہ مشائخ اپنے مریدین ومتوسلین کو ان کے حسب احوال ارشاد فرماتے ہیں۔ راقم السطور مندرجہ ذیل طریقے پر سالکین طریقت وعاشقان حق کی رہنمائی کا ادنی فریضہ انجام دیتا ہے۔

### ﴿طبقۂ اولیٰ﴾

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ الٰہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حضرت حکیم الامتؒ کے بعض ذاتی معمولات یہ تھے ۔تہجد کے بعد آپ اس طرح معمولات کو شروع فرماتے:

أَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِي عَنْ غَيْرِكَ وَنَوِّرْ قَلْبِي بِنُوْرِ مَعْرِفَتِكَ ________ 3،بار

أَسْتَغْفِرُ اللهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّ أَتُوْبُ إِلَيْهِ ________ 100 بار

درود شریف۔ ________ 100 بار

لَا إِلٰهَ إِلَّا الله۔ ________ 200 بار

إِلَّا الله۔ ________ 400, بار

أَللهُ الله۔ ________ 600, بار

أَللهُ۔ ________ 100 بار

تلاوت کلام پاک کم از کم ایک پارہ مع سورۂ یسین شریف۔

مناجات مقبول حضرت حکیم الامتؒ۔ ________ ایک منزل

## شام کے معمولات

استغفار۔ ______ 100، بار

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه۔ ______ 100، بار

درود شریف۔ ______ 100، بار

سورۂ اخلاص، سورۂ فلق، سورۂ ناس، تین تین مرتبہ۔

## طبقۂ ثانیہ — صبح کے معمولات

أَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِي عَنْ غَيْرِكَ وَنَوِّرْ قَلْبِيْ بِنُوْرِ مَعْرِفَتِكَ ______ 3، بار

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ ______ 100، بار

درود شریف۔ ______ 100، بار

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه۔ ______ 100، بار

اَللّٰهُ اللّٰه۔ ______ 100، بار

اللّٰه۔ ______ 100، بار

کم از کم سورۂ یسین شریف کی تلاوت، زیادہ سے زیادہ تلاوت کی کوئی حد نہیں۔

مناجات مقبول حکیم الامتؒ ہر روز۔ ______ ایک منزل

سورۂ اخلاص، سورۂ فلق، سورۂ ناس، تین تین مرتبہ۔

## شام کے معمولات

استغفار۔ ______ 100، بار

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه۔ ______ 100، بار

درود شریف۔ ______ 100، بار

سورۂ اخلاص، سورۂ فلق، سورۂ ناس، تین تین مرتبہ۔

## (نوٹ)

## طبقۂ اولیٰ کیلئے حسب طاقت صبح میں

سورۂ اخلاص۔ ____________ 100،بار

تیسرا کلمہ، سُبْحَانَ اللہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَاللہُ اَکْبَرُ۔ ____________ 100،بار

## طبقۂ اخیر کیلئے ........ صبح کے معمولات

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ۔ ____________ 33،بار

أَسْتَغْفِرُ اللہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّأَتُوْبُ اِلَیْہِ۔ ____________ 33،بار

أَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِنِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَآلِہٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔ ____________ 33،بار

قرآن شریف کی تلاوت کم از کم دس آیتیں۔ زیادہ کی کوئی حد نہیں۔

## شام کے معمولات

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ۔ ____________ 33،بار

استغفار۔ ____________ 33،بار

درود شریف۔ ____________ 33،بار

سورۂ اخلاص،سورۂ فلق،سورۂ ناس،تین تین مرتبہ۔

عشاء کی نماز کے بعد وتر سے قبل دو یا چار رکعت تہجد ہر طبقہ کیلئے۔ ____________



# {مؤلف کا تعارف}

| | | |
|---|---|---|
| نام | : | محمد علاء الدین قاسمی ابن الحاج حافظ حبیب اللہ صاحب۔ |
| ولادت و پیدائش | : | مقام و پوسٹ: جھگڑوا، تھانہ جمال پور، وایا گھنشیام پور، ضلع دربھنگہ بہار (انڈیا) |
| ابتدائی تعلیم | : | ناظرہ، وحفظ، وقرأت قرآن شریف: مدرسہ عربیہ حسینیہ چلہ امروہہ ضلع مرادآباد یوپی۔ |
| عربی اول | : | جامعہ قاسمیہ شاہی مرادآباد (یوپی) |
| عربی دوم، سوم | : | مدرسہ جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ (یوپی) |
| اعلی تعلیم | : | عربی چہارم تا دورۂ حدیث دارالعلوم دیوبند (یوپی) |
| فراغت | : | ۱۹۹۱ء |

# بعد فراغت مصروفیات...

درس وتدریس : درجہ سوم تا ہفتم: مدرسہ حسینیہ شریوردھن کوکن مہاراشٹر۔

حرمین شریفین کی زیارت اور عملی سرگرمیاں: فریضۂ امامت اور جدہ اردو نیوز کے لئے کالم نگاری۔

موجودہ مصروفیات : خانقاہ اشرفیہ پالی کی ذمہ داری اور تصنیف وتالیف کے مشاغل۔



# مؤلف کی مشہور کتابیں

۱۔ رمضان المبارک سے محرم الحرام تک۔

۲۔ اپنے عقائد کا جائزہ لیجئے۔

۳۔ نکاح اور طلاق۔

۴۔ حج گائیڈ۔

۵۔ چالیس حدیثیں۔

۶۔ جادوٹونا، اور کہانت کا حکم۔

۷۔دس عظیم صحابہ کرامؓ کے ایمان افروز واقعات۔

۸۔ وعظ وادب کا خزانہ۔

۹۔ عظمت قرآن۔

۱۰۔ مسائل حاضرہ۔

۱۱۔ قربانی کے ضروری مسائل۔

۱۲۔ اصلاح کا تیر بہدف نسخہ ۔

۱۳۔ چراغ اصلاح۔

۱۴۔تکبر ایک وبال ہے۔

۱۵۔تنقید ایک بُری عادت ہے۔

۱۶۔جنت کے حسین محلات اور لذیذ ونفیس نعمتیں۔

۱۷۔تراویح کا پیسہ لینا جائز نہیں۔

۱۸۔رمضان المبارک کونفع بخش اور مقبول بنانے کے صحیح طریقے۔

۱۹۔قیامت کی آخری علامتیں۔

۲۰ تصوف کی اہمیت وضرورت۔

۲۱۔غیبت ایک گندہ عمل ہے۔

۲۲۔اصلاح کے قیمتی موتی۔

۲۳۔اصلاح کے اہم نسخے۔

۲۴۔اخلاص اور اخلاق۔

۲۵۔اصلاحی واقعات جلد،اوّل۔

۲۶۔اصلاحی واقعات جلد دوم۔

۲۷۔اصلاحی واقعات جلدسوم۔

۲۸۔دعاء کا صحیح طریقہ۔

۲۹۔اصلاح کا مبارک سفر۔



# ﴿بیعت سے آدمی پاک صاف ہوجاتا ہے﴾

حضرت خواجہ صاحبؒ فرماتے ہیں میرا بیعت ہونے کو بہت جی چاہتا تھا، مگر ہمت نہیں ہوتی تھی کیونکہ مجھے یہ فکر دامن گیر تھی کہ اگر بیعت ہونے کے بعد بھی گناہ ہوتے رہے تو بیعت ہونے سے کیا فائدہ؟ اس لئے پہلے حضرت میرے ناپاک ہاتھوں کو اس قابل کردیں کہ حضور کے پاک ہاتھوں میں دے سکوں، احقر کی عرض مذکور پر تمثیلاً فرمایا کہ: ایک دریا تھا اس کے پاس ایک ناپاک اور میلا کچیلا آدمی آیا اس دریا نے کہا کہ آ تو میرے پاس آجا۔ اس نے کہا کہ میری بھلا کیا مجال ہے میں تیرے پاس آسکوں، تو بالکل صاف وشفاف، میں بالکل نجس، پلید، ناپاک، دریا نے جواب دیا تو تو اس حالت میں میرے پاس آنے نہیں پاتا اور بغیر میرے پاس آئے اور میرے اندر نہائے پاک ہو نہیں سکتا، تو بس ہمیشہ کیلئے دوری ہی رہی، ارے بھائی پاک ہونے کی تدبیر بھی تو یہی ہے کہ بس آنکھیں بند کر کے بلا پس وپیش میرے اندر کود پڑ بس، پھر فوراً ہی میرے اندر سے ایک ایسی موج اٹھے گی جو تیرے سر پر ہو کر گذر جائے گی اور آن کی آن میں تیری ساری نجاستوں کو دھو کر تجھے سر سے پاؤں تک بالکل صاف کردے گی۔ (اشرف السوانح، ج/2، صفحہ/51)

**نوٹ:**

اس مضمون کو طباعت کے وقت بیک فرنٹ پر ڈالیں